For more notes & academic material visit our Website or install our Mobile App
Website: www.downloadclassnotes.com Mobile App: bit.ly/DCNApp

حصہ غزلیات

خواجہ میر دردؔ

پیدائش ۱۷۲۰ء ۔وفات ۱۷۸۵ء

تعارف شاعر: خواجہ میر نام اور درد تخلص ہے۔ان کے والد خواجہ محمد ناصر عندلیب بھی صوفی شاعر تھے۔خواجہ میر درد مشہور عالم اور درویش تھے،اُن کو تصوف اور شاعری ورثے میں ملی تھی۔خواجہ میر درد اردو کے پہلے صوفی شاعر ہیں۔آپ کی شاعری آسان اور سہل انداز کا عمدہ نمونہ ہے۔خواجہ میر درد نے اردو کے علاوہ فارسی میں بھی شاعری کی۔میر درد فن موسیقی کے بھی بڑے ماہر تھے۔موسیقی اور شاعری کے امتزاج نے اُن کی طبیعت میں زاہدانہ خشکی کے بجائے ایک خاص قسم کی شگفتگی پیدا کر دی تھی۔میر درد پہلے شاعر ہیں جنھوں نے با قاعدہ عشقِ حقیقی کے مضامین باندھے ہیں۔جس طرح میر تقی میر کو خدائے سخن کہا جاتا ہے اسی طرح اگر درد کو تصوف کا امام کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔درد خود بھی صوفی تھے اس لیے ان کے کلام میں قال کی نہیں حال کی کیفیت نمایاں ہے۔حقیقت یہ ہے کہ تصوف ان کی ذات میں رچ بس گیا تھا۔

تصانیف: خواجہ میر درد کی تصانیف بارہ ہیں،جن میں اسرار الصلوٰۃ،واردات،علم الکتاب،نالہ درد،آہِ سرد،شمع محفل،درد دل،حرمتِ غنا،واقعاتِ درد،سوزِ دل،دیوانِ فارسی،دیوانِ اردو۔دیوانِ اردو کے علاوہ تمام تصانیف فارسی میں ہیں۔

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
مقدور	اختیار	وصف	خوبی	مسندِ عزت	عزت والا مقام
لوح و قلم	تقدیر	تاب	مجال/ممکن نہ ہونا	تعقّل	عقلی قوت
شیخ و برہمن	مسلمان اور کافر	مانندِ حباب	بلبلے کی طرح	عرصہ کھینچنا	زندگی گزارنا
حرفِ دوئی	دو ہونے/شراکت کا الزام،مطلب یہ کہ خدا کی واحد و یکتا ذات بے عیب ہے اور اپنی وحدانیت میں کسی کے شریک ہونے کے الزام سے مبرا ہے	قاصد	پیغام لے جانے والا	زینہار	ہرگز
پھولنا	غرور کرنا	اپنے تئیں	خود کو	-	-

For more notes & academic material visit our Website or install our Mobile App
Website: www.downloadclassnotes.com Mobile App: bit.ly/DCNApp

غزل ۱

شعر۱: مقدور ہمیں کب ترے وصفوں کے رقم کا — حقا کہ خداوند ہے تو لوح و قلم کا

بنیادی خیال: اللہ تعالیٰ کی قدرت کا بے کراں بیان کیا گیا ہے۔

تشریح: اس شعر میں خواجہ میر درد اللہ تعالیٰ کی قدرت کی لامتناہی حیثیت کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ہم انسانوں کی عقل اور زبان میں وہ طاقت نہیں جو تیری خوبیوں کا مکمل بیان کر سکے۔ کیوں کہ سب سے بڑی سچائی یہ ہے کہ اس کائنات کا تو ہی خالق اور مالک ہے جس نے سب کچھ بنا کر ہر چیز کی لمحے لمحے کا احوال لکھ دیا ہے۔

شعر۲: جس مسندِ عزت پہ کہ تُو جلوہ نما ہے — کیا تاب گزر ہووے تعقل کے قدم کا

بنیادی خیال: اللہ تعالیٰ انسانی عقل سے ماورا ہے۔

تشریح: خواجہ میر درد کا یہ شعر حمدیہ انداز کا ہے وہ لکھتے ہیں کہ اے خدا تیری ذات عظمت کی ہے، اُن بلندیوں پر جلوہ افروز ہے کہ جہاں انسانی عقل کا گزر نہیں۔ ہر چند کہ تو نے انسان کو عقل کی بنیاد پر ہی اشرف المخلوقات بنایا ہے لیکن جب یہی انسان تیری قدرت کو سمجھنے کے لیے اپنی عقل دوڑاتا ہے تو اُسے بہت جلد یہ احساس ہو جاتا ہے کہ یہ اُس کے بس کی بات نہیں۔ اسی خیال کو نظیر اکبر آبادی نے یوں بیان کیا ہے:

پڑے بھٹکتے ہیں لاکھوں دانا، کروڑوں پنڈت ہزاروں سیانے
جو خوب دیکھا تو یار آخر خدا کی باتیں خدا ہی جانے

شعر۳: بستے ہیں ترے سائے میں سب شیخ و برہمن — آباد ہے تجھ سے ہی تو گھر دیر و حرم کا

بنیادی خیال: دنیا کی کوئی جگہ اللہ کی موجودگی سے خالی نہیں۔

تشریح: اس شعر میں خواجہ میر درد وحدت الوجود کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ اس کائنات کی کوئی ایسی جگہ نہیں جو اللہ تعالیٰ کے سائے سے خالی ہو۔ کوئی اُس کا ماننے والا ہو یا نہ ہو، اُس کے قبضہ قدرت سے باہر نہیں جا سکتا۔ انسان نے اپنی اپنی سہولت سے مختلف راستے اختیار کر لیے ہیں، کوئی شیخ یعنی مسلمان ہے تو کوئی پنڈت یعنی ہندو، کوئی عیسائی ہے تو کوئی کسی اور راستے پر چل نکلا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ دنیا کی کوئی بھی جگہ ایسی نہیں جو اللہ تعالیٰ کے نور سے روشن نہ ہو۔ غرض یہ کہ مسجد سے مندر تک اور حرم سے کلیسا تک سب کچھ اللہ ہی کہ نور سے آباد ہے۔ لہٰذا کوئی بھی انسان چاہتے ہوئے بھی اُس کے سائے سے باہر نہیں جا سکتا۔ اسی خیال کو مولانا حالی نے یوں بیان کیا ہے:

عظمت تری مانے بن کچھ بن نہیں آتی یاں
ہیں خیرہ و سرکش بھی دم بھرتے سدا تیرا

شعر۴: ہے خوف اگر جی میں تو ہے تیرے غضب کا — اور دل میں بھروسا ہے تو ہے تیرے کرم کا

بنیادی خیال: انسان اللہ سے ڈرتا ہے اور اُس کی مہربانی کا سہارا لیتا ہے۔

تشریح: اس شعر میں خواجہ میر درد لکھتے ہیں کہ اے خدا کسی انسان کے سینے میں وہ دل نہیں جس میں تیرا خوف اور تیرے غضب کا خطرہ موجود نہ ہو۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ تیری محبت اور تیری عنایت کی روشنی بھی دلوں کو منور رکھتی ہے۔ اس لیے انسان ہر وقت تجھ سے خوف زدہ

www.downloadclassnotes.com

For more notes & academic material visit our Website or install our Mobile App
Website: www.downloadclassnotes.com Mobile App: bit.ly/DCNApp

رہنے کے باوجود بھی تجھ سے ہی مدد طلب کرتا ہے اور تیری ہی مہربانی کے انتظار میں رہتا ہے، کیوں کہ تو نے خود کہا ہے کہ میں نے انسان کو محبت سے پیدا کیا۔ اور میں اپنے بندوں سے بے پناہ محبت کرتا ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ ہر دم انسان کے ورد زباں پر یہی بات رہتی ہے کہ: اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ: ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔

شعر۵: مانندِ حباب آنکھ تو اے دردؔ کھلی تھی — کھینچا نہ پر اس بحر میں عرصہ کوئی دم کا

بنیادی خیال: زندگی بہت مختصر اور ناپائیدار ہے۔

تشریح: مقطعے میں خواجہ میر درد لکھتے ہیں کہ ہماری حیثیت زندگی کے سمندر میں کسی بلبلے سے زیادہ نہیں ہے، اسی لیے زندگی اتنی کمزور اور ناپائیدار ہے کہ لمحہ بھر میں اس کی ڈور ٹوٹ جاتی ہے۔ ہم جب اپنی مجموعی زندگی پر نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ کب گزر گئی پتا ہی نہیں چلا اور وقت آخر اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ ہم تو ایک سانس بھی اپنی مرضی سے نہیں لے سکے۔

غزل ۲

شعر۱: ارض و سما کہاں تری وسعت کو پا سکے — میرا ہی دل ہے وہ کہ جہاں تُو سما سکے

بنیادی خیال: انسانی دل میں اللہ نے بڑی وسعت رکھی ہے۔

تشریح: اس شعر میں خواجہ میر درد انسانی جذبوں کی وسعت کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ کائنات میں کوئی مخلوق ایسی نہیں جو اللہ تعالیٰ کی قدرت کا اتنا گہرا احساس اپنے اندر رکھتی ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کائنات میں انسان کو اللہ نے اشرف المخلوقات بنا کر یہ طے کر دیا ہے کہ زمین پر اگر اُس کا نائب کوئی ہے تو وہ صرف اور صرف انسان ہے۔ یعنی یہ تمام کائنات زمین سے لے کر آسمان تک سب کچھ انسان کے تابع ہیں اور کسی میں اتنی وسعت اور صلاحیت موجود نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات کو اپنے اندر محسوس کر سکے۔ اسی ودیعتِ خداوندی پر ناز کرتے ہوئے خواجہ میر درد نے اس شعر کی بنیاد رکھی ہے کہ کائنات میں کسی بھی جگہ اتنی وسعت نہیں کہ جہاں اللہ تعالیٰ کا خیال سما سکے۔ ماسوائے انسانی دل کہ جو اللہ کا گھر ہے۔

شعر۲: وحدت میں تیری حرف دوئی کا نہ آ سکے — آئینہ کیا مجال! تجھے منھ دکھا سکے

بنیادی خیال: اللہ تعالیٰ اپنی وحدانیت کی وجہ سے ہی اللہ ہے۔

تشریح: خواجہ میر درد کا یہ شعر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے گرد گھومتا ہے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاخلاص میں یہ بات طے کر دی ہے کہ اُس جیسا کوئی نہیں۔ انسانی آنکھ میں وہ طاقت ہی نہیں جو اُسے دیکھ سکے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر کسی بھی طرح کوئی گفتگو نہیں ہو سکتی۔ حد یہ ہے کہ کائنات میں کوئی چیز بھی ایسی نہیں بنی جو اُس کا عکس پیدا کر سکے۔

شعر۳: قاصد نہیں یہ کام ترا، اپنی راہ لے — اُس کا پیام دل کے سوا کون لا سکے

بنیادی خیال: دل کی باتیں کسی اور کی زبان سے ادا نہیں ہوتیں۔

تشریح: اس شعر میں خواجہ میر درد لکھتے ہیں کہ خدا اور بندے کے درمیان وہ براہِ راست تعلق ہوتا ہے کہ دل سے نکلی ہوئی ہر بات محبوب تک پہنچ جاتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ وہ محبوب ہے جس تک اپنے احساسات پہنچانے کے لیے کسی قاصد، کسی نامہ بر کی ضرورت نہیں ہوتی۔ وہ

For more notes & academic material visit our Website or install our Mobile App
Website: www.downloadclassnotes.com Mobile App: bit.ly/DCNApp

اپنے بندوں کی ہر بات سمجھتا ہے۔ انسان کا فرض ہے کہ بس اُسی سے لو لگائے رہے، کیوں کہ یہی وہ راستہ ہے کہ ایک دن دل سے نکلنے والی آہ فلک تک پہنچ جاتی ہے۔

شعر ۴: غافل! خدا کی یاد پہ مت بھول زینہار　　اپنے تئیں بُھلا دے اگر تو بُھلا سکے

بنیادی خیال: انسان خدا کی یاد سے غافل ہو ہی نہیں سکتا۔

تشریح: اس شعر میں خواجہ میر درد اُن لوگوں سے مخاطب ہیں جو اس بات پر فخر کرتے ہیں کہ وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی یاد میں کھوئے رہتے ہیں۔ میر درد کہتے ہیں کہ اے لوگوں اگر تم ہر وقت اُسے یاد کرتے رہتے ہو، تو یہ کوئی کمال کی بات نہیں یہ تو وصفِ خداوندی ہے کہ وہ اس حد تک انسانی اعصاب پر قابض ہے کہ انسان نہ چاہتے ہوئے بھی اُس کی یاد سے غافل نہیں ہو سکتا۔ ہر ہر قدم، ہر ہر فعل، ہر ہر سانس انسان کو یہ باور کراتی ہے کہ اُس کا خالق و مالک وہی ذاتِ باری تعالیٰ ہے۔

شعر ۵: گو بحث کرکے بات بٹھائی بھی کیا حصول　　دل سے اُٹھا غلاف اگر تو اُٹھا سکے

بنیادی خیال: انسان کی زندگی کا مقصد اپنے باطن کو صاف کرنا ہے۔

تشریح: اس شعر میں میر درد لکھتے ہیں کہ اے انسان جب تو اس بات پر ایمان رکھتا ہے کہ خدا کا جلوہ ہر جگہ موجود ہے اور وہ تیری شہ رگ سے بھی نزدیک رہتا ہے تو پھر ایسی کیا وجہ ہے جو تجھے دکھائی نہیں دیتا۔ تو صرف سنی سنائی باتوں پر یقین کرکے اسے کیوں مانتا ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ تو نے اپنے دل پر خواہشات اور زمانے کے دوسرے معاملات کی اتنی تہیں چڑھا رکھی ہیں کہ تیرے دل کا آئینہ صاف ہونے ہی نہیں پاتا کہ اُس میں خالق حقیقی کی تصویر نظر آئے۔ جب کہ تیری زندگی کا مقصد یہ ہے کہ تو اپنے باطن سے ان برائیوں کے تمام غلاف ہٹادے تاکہ تجھے خالقِ حقیقی کی موجودگی کا احساس ہونے لگے اور اپنے باطن میں اُس کے نور کی تجلی نظر آنے لگے۔

مشق

سوال نمبر ۱: درج ذیل اشعار کی تشریح کیجیے:

(۱) مقدور ہمیں کب ترے وصفوں کے رقم کا　　حقا! کہ خداوند ہے تو لوح و قلم کا

(۲) مانندِ حباب آنکھ تو اے درد کھلی تھی　　کھینچا نہ پر اس بحر میں عرصہ کوئی دم کا

(۳) ارض و سما کہاں تری وسعت کو پا سکے　　میرا ہی دل ہے وہ کہ جہاں تو سما سکے

(۴) قاصد نہیں یہ کام ترا اپنی راہ لے　　اُس کا پیام دل کے سوا کون لا سکے

(جواب) ان اشعار کی تشریح درج بالا غزلیات میں ملاحظہ ہوں۔

سوال نمبر ۲: میر درد کی دونوں غزلوں کے مطلعوں میں قافیہ اور ردیف کی نشان دہی کیجیے۔

(جواب) میر درد کی پہلی غزل کے مطلع میں "رقم" اور "قلم" قافیہ ہیں جب کہ ردیف "کا" ہے۔ جب کہ دوسری غزل کے مطلعے میں "پا" اور "سما" قافیے کے طور پر استعمال ہوا ہے اور اس کی ردیف "سکے" استعمال ہوئی ہے۔

سوال نمبر ۳: میر درد کی غزلوں کا موضوع کیا ہے؟

(جواب) میر درد کو تصوف کا امام کہا جاتا ہے۔ ان کی غزلوں کے زیادہ تر موضوعات صوفیانہ ہوتے ہیں۔ انھوں نے اپنی غزلوں میں اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرنے کے علاوہ دنیا میں انسان کی اللہ تعالیٰ کے حکم کی بجا آوری کا مقصد بیان کیا ہے۔

سوال نمبر ۴: درج ذیل الفاظ و تراکیب کے معنی لکھیے:

معنی	الفاظ و تراکیب	معنی	الفاظ و تراکیب	معنی	الفاظ و تراکیب
عقلی قوت	تعقّل	اختیار	مقدور	ہرگز	زینہار
-	-	خود سے/ اپنی مرضی سے	اپنے تئیں	توحید میں کسی کو شریک کرنا	حرفِ دوئی

سوال نمبر ۵: ان غزلوں میں سے کوئی ایک شعر اپنی پسند کا منتخب کیجیے اور پسند آنے کی وجہ بیان کیجیے۔

(جواب) مجھے میر درد کی پہلی غزل کا یہ شعر بہت پسند ہے۔

ہے خوف اگر جی میں تو ہے تیرے غضب کا — اور دل میں بھروسا ہے تو ہے تیرے کرم کا

اس شعر میں خواجہ میر درد نے انسان کو اس بات کی تلقین کی ہے اگر وہ بھٹک جائے گا تو اللہ کے غضب سے نہیں بچ سکے گا۔ اگر اس کے دل میں اللہ کا خوف ہے تو اُس سے ڈرتا رہے گا اور گناہوں سے تائب رہے گا۔ اگر نیکی کا راستہ اختیار کرے گا تو بھروسا ہونا چاہیے کہ وہ کرم کرنے والا اور معاف کرنے والا ہے۔

سوال نمبر ۶: پہلی غزل کے تیسرے شعر میں کون کون سی شعری صنعتیں موجود ہیں؟

(جواب) پہلی غزل کے تیسرے شعر میں صنعتِ تضاد، صنعتِ لف و نشر اور صنعتِ مراعات النظیر ہیں۔ "شیخ و برہمن" اور "دیر و حرم" صنعت تضاد، صنعتِ لف و نشر میں "شیخ" اور "حرم" ا "برہمن" اور "دیر" کا استعمال کیا ہے۔ خدا کی نسبت سے "شیخ، برہمن، دیر، حرم" مراۃ النظیر کی اعلیٰ مثال ہے۔

سوال نمبر ۷: درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

(۱) لفظ "لوح و قلم" سے مراد ہے:

(الف) بچوں کی تختی اور قلم (ب) رسالہ لوح و قلم

(ج) لوہے کی پلیٹ اور پین

(د) اللہ تعالیٰ نے جس مقام پر انسانوں کی قسمتیں لکھی ہیں اور جن چیزوں پر لکھی ہیں۔ ✓

(۲) شیخ و برہمن سے مراد ہے:

(الف) دو ذاتیں (ب) دو اشخاص (ج) امیر اور غریب (د) مسلم اور غیر مسلم ✓

For more notes & academic material visit our Website or install our Mobile App
Website: www.downloadclassnotes.com Mobile App: bit.ly/DCNApp

(۳) غزل میں "مسندِ عزت" کا مفہوم ہے:

(الف) عزت والی کرسی (ب) عہدہ (ج) اعلیٰ درجہ ✓ (د) عرش الٰہی

(۴) لفظ "قاصد" کا مطلب ہے:

(الف) ارادہ کرنے والا (ب) درمیانہ زندگی گزارنے والا

(ج) پیغام لے جانے والا ✓ (د) ڈاکیا

(۵) اس غزل میں "آنکھ کھلی تھی" سے مراد ہے:

(الف) بیدار ہونا (ب) ہوش میں آنا

(ج) مختصر سی زندگی ہونا (د) بلبلے کی مانند آنکھ کی بناوٹ کا ہونا ✓

www.downloadclassnotes.com

میر تقی میرؔ

پیدائش ۱۷۲۳ء ۔ وفات ۱۸۱۰ء

تعارف شاعر: میر تقی میر آگرے میں پیدا ہوئے۔ بڑے ہوئے تو دہلی آئے اور یہاں ہی سکونت اختیار کی۔ وہ سراج الدین خان آرزو کے شاگرد تھے۔ ان کی وجہ شہرت غزل گوئی تھی۔ میر تقی میر کو خدائے سخن بھی کہا جاتا ہے۔ ان کی زندگی اور شاعری میں ہم آہنگی ہے۔ انھوں نے اپنے غم کو شعر کے سانچے میں اتنی عمدگی سے ڈھالا ہے کہ ہر دل کی دھڑکن بنا دیا۔ ناسخ و غالب سے لے کر حالی و حسرت تک کون ہے جو ان کے سحر میں گرفتار نہیں۔ اور آج تک ان کے کمال کا سکہ لوگوں کے دلوں پر بیٹھا ہوا ہے۔ انسانی جذبات اور خصوصاً درد و غم کا بیان جیسا میرؔ نے کیا ہے، اردو کے کسی دوسرے شاعر سے نہ ہو سکا:

مجھ کو شاعر نہ کہو میر کہ صاحب میں نے درد و غم کتنے کیے جمع تو دیوان کیا

تصانیف: میر تقی میر نے اردو کے چھ دیوان مرتب کیے۔ اس کے علاوہ ان کا ایک فارسی دیوان بھی ملتا ہے۔ نثر میں ان کی کتابیں "نکات الشعراء"، "تذکرہ میر"، "فیض میر" اور "شعر شور انگیز" وغیرہ شامل ہیں۔

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
نگفتہ	نہ کہی ہوئی / اَن کہی	صوت	آواز	جرس	قافلے کا گھنٹا جو اونٹ کے گلے میں باندھتے ہیں
کارواں	قافلہ	اصل مدعا	مطلب کی بات	فراق	دوست کی جدائی
مستعار	اُدھار لیا ہوا	مُنعم	نعمتوں سے نوازا گیا / مالدار	قاقم وسنجاب	قیمتی لباس
رشک	قدیم اردو / فخر	رِند	گناہ گار / مست / فقیر	عُور	بےلباس
کاسہ سر	کھوپڑی	چُور	ٹوٹا پھوٹا	کبھو کسو /	کبھی کسی

حوالہ شعر: یہ شعر نصاب میں شامل میر تقی میر کی غزل سے لیا گیا ہے۔

غزل ۱

شعر ۱: رہی نگفتہ مرے دل میں داستاں میری نہ اس دیار میں سمجھا کوئی زباں میری

بنیادی خیال: اس دنیا میں میری بات سمجھنے والا کوئی نہیں۔

تشریح: اس شعر میں میر تقی میر لکھتے ہیں کہ بظاہر میں ایک ناکام و نامراد آدمی ہوں جسے زندگی میں قدم قدم پر مایوسی سے واسطہ پڑا ہے۔ میں نے جو حاصل کرنا چاہا وہ نہ مل سکا۔ غرض یہ کہ جو مقام میرا حق تھا میں اُس تک بھی نہیں پہنچ سکا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگوں نے

For more notes & academic material visit our Website or install our Mobile App
Website: www.downloadclassnotes.com Mobile App: bit.ly/DCNApp

میری بات سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی اور میرے دل کی بات دل میں ہی رہ گئی۔ ممکن ہے کہ لوگوں نے مجھے اہمیت ہی نہیں دی یا ممکن ہے میں انھیں اپنی بات سمجھا نہیں سکا۔ بہر حال ہوا یہی کہ میری باتیں میرے دل میں ہی رہ گئیں۔

شعر ۲: بہ رنگِ صوت جرس تجھ سے دُور ہوں تنہا — خبر نہیں ہے تجھے آہ، کارواں میری

بنیادی خیال: میں اپنے قافلے سے بچھڑا ہوا ہوں۔

تشریح: اس شعر میں میر تقی میر کہتے ہیں کہ میں زندگی کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر نہیں چل سکا اور ہر بار تنہا رہ گیا۔ اور میرے قافلے والے مجھے چھوڑ کر آگے نکل گئے۔ انھوں نے میری آہ و زاری پر دھیان دینا بھی گوارا نہیں کیا۔ یہ شعر میر تقی میر کی ناکامیوں کا عکاس ہے جس میں اُن کا یہ احساس جھلکتا دکھائی دیتا ہے کہ وہ زمانے کے ساتھ نہیں چل سکے۔

شعر ۳: اُسی سے دُور رہا اصل مدعا جو تھا — گئی یہ عمرِ عزیز آہ! رائگاں میری

بنیادی خیال: میں ساری عمر اپنے دل کی بات بیان نہ کر سکا۔

تشریح: اس شعر میں میر تقی میر لکھتے ہیں کہ میں جس بات کو اپنی زندگی کا حاصل سمجھتا تھا وہی بات میں تمام عمر اپنے محبوب کے سامنے نہیں کہہ سکا۔ اور تمام عمر گزارنے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ میں نے اپنی تمام عمر اس خاموش رویے پر ضائع کر دی۔

شعر ۴: ترے فراق میں جیسے خیال مُفلس کا — گئی ہے فکرِ پریشاں کہاں کہاں میری

بنیادی خیال: اے خدا تجھے سمجھنے کے لیے میری فکر جا بجا بھٹکتی پھرتی ہے۔

تشریح: اس شعر میں میر تقی میر کا اشارہ خالق کائنات کی طرف ہے جو انسانی عقل سے ماورا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ اے خدا میں تمام عمر تجھے سمجھنے کی کوشش میں لگا رہا، ہر چند کہ میرے پلے کچھ نہیں تھا، لیکن میں نے حتی الامکان تجھے ہر ہر زاویے سے سمجھنے کی کوشش کی۔ خیال کا کوئی دروازہ نہیں چھوڑا، جسے میں نے اپنی عقل سے نہ کھٹکھٹایا ہو۔ میں عمر بھر ایک مُفلس اور بے علم شخص کی طرح تجھے سمجھنے کے لیے در در مارا مارا پھرا لیکن تجھے نہ سمجھ سکا۔

شعر ۵: دیا دکھائی مجھے تو اُسی کا جلوہ میرؔ — پڑی جہان میں جا کر نظر جہاں میری

بنیادی خیال: جدھر دیکھتا ہوں وہیں خدا کا جلوہ دکھائی دیتا ہے۔

تشریح: یہ شعر میر کے عقیدہ وحدت الوجود کا عکاس ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ اے خدا یہ کائنات تیرے جلووں سے بھری پڑی ہے۔ کوئی گوشہ ایسا نہیں جو تیرے نور سے خالی ہو۔ جہاں تیرا عکس موجود نہ ہو، تیرا جلوہ دکھائی نہ دیتا ہو۔ بس دیکھنے والی آنکھ چاہیے۔ میں تو اس بات پر ایمان رکھتا ہوں کہ تُو ہر جگہ موجود ہے، یہی وجہ ہے کہ میں جہاں نظر اُٹھا کر دیکھتا ہوں مجھے تیرا ہی جلوہ نظر آتا ہے۔

غزل ۲

شعر ۱: تھا مستعار حُسن سے اُس کے جو نور تھا — خورشید میں بھی اُس ہی کا ذرّہ ظہور تھا

بنیادی خیال: دنیا میں جو کچھ ہے سب اللہ ہی کا نور ہے۔

تشریح: میر تقی میر کا یہ شعر حمدیہ انداز کا ہے جس میں وہ اللہ تعالیٰ کی صنعت و کاری گری کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس کائنات

میں جو روشنی دکھائی دیتی ہے، یہ سب کا سب اُسی کے نور سے وابستہ ہے۔ حد یہ ہے کہ کائنات کی سب سے روشن چیز سورج ہے تو یہ بھی اپنی روشنی اللہ کے نور سے ہی اخذ کرتا ہے۔ لہٰذا انسان کو چاہیے کہ ہر وقت اپنے آپ کو خدا کے سامنے محسوس کرے۔

شعر ۲: منعم کے پاس قاقم و سنجاب تھا تو کیا؟ اُس رند کی بھی رات کٹی جو کہ عُور تھا

بنیادی خیال: غریب کی زندگی بھی جیسے تیسے کٹ ہی جاتی ہے۔

تشریح: اس شعر میں میر تقی میر کہتے ہیں کہ ہر انسان کا چاہے وہ غریب ہو یا امیر اچھا برا وقت کٹ ہی جاتا ہے۔ اگر دولت مند آدمی عیش و آرام سے اپنے گھر میں چین کی نیند سوتا ہے تو اُس غریب آدمی کی رات بھی جیسے تیسے گزر ہی جاتی ہے جس کے پاس نہ اوڑھنے کو کچھ ہوتا ہے نہ بچھانے کو۔

شعر ۳: کل پاؤں ایک کاسۂ سر پر جو آگیا یک سر وہ استخوان شکستوں سے چُور تھا

بنیادی خیال: روح کے بعد جسم بے معنی ہو کر بکھر جاتا ہے۔

تشریح: اس شعر میں میر تقی میر انسانی جسم کی بے ثباتی کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جب جسم روح سے خالی ہو جاتا ہے تو اُس کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہتی۔ کل جب میں قبرستان سے گزر رہا تھا تو اچانک میرا پاؤں کسی مردے کی کھوپڑی سے ٹکرایا، میں نے توجہ کی جب دیکھا کہ اُس کی ہڈیوں کا ڈھانچا جگہ جگہ سے ٹوٹ کر بکھر رہا تھا، جس سے مجھے انسان کی ناپائیداری کا احساس ہوا کہ وہ انسان جو زندگی بھر زمین پر اکڑ کر چلتا ہے اور اپنی طاقت کے گھمنڈ میں کسی کو خاطر میں نہیں لاتا، لیکن جسم سے روح کے نکلتے ہی سارا غرور مٹی میں مل جاتا ہے۔

شعر ۴: کہنے لگا کہ دیکھ کے چل راہ بے خبر! میں بھی کبھو کسو کا سر پُرغرور تھا

بنیادی خیال: موت ہر غرور کو مٹی میں ملا دیتی ہے۔

تشریح: میر تقی میر لکھتے ہیں کہ جونہی میری ٹھوکر کھوپڑی کو لگی تو کھوپڑی میں سے آواز آئی کہ اے بے خبر انسان ذرا دیکھ کہ راستہ چل، اپنی طاقت کے نشے میں اتنا مت بہک کہ تجھے راستے میں پڑی ہوئی چیزیں بھی نظر نہ آئیں۔ مجھ سے سبق حاصل کر کہ میں بھی کبھی تیری طرح اپنے غرور کے نشے میں اکڑ کر چلتا تھا اور راستے میں آنے والی چیزوں کو روند دیا کرتا تھا۔

شعر ۵: تھا وہ رشکِ حورِ بہشتی ہمیں میں میرؔ سمجھے نہ ہم تو فہم کا اپنی قصور تھا

بنیادی خیال: اللہ ہماری شہ رگ سے بھی قریب رہتا ہے۔

تشریح: میر تقی میر اس مقطعے میں کہتے ہیں کہ ہماری بدنصیبی یہ رہی کہ ہم نے اپنے محبوب کو، اپنے اندر تلاش کرنے کے بجائے اِدھر اُدھر ڈھونڈنے کی کوشش کی، کبھی ہم دنیا میں مارے مارے پھرے اور کبھی ہم نے جنت کی خوب صورتی اور نعمتوں میں اُسے تلاش کرنے کی کوشش کی۔ لیکن افسوس کہ اپنے اندر کبھی جھانک کر نہیں دیکھا۔ ہر چند کہ اُس نے کہہ دیا کہ میں تیری شہ رگ سے بھی نزدیک رہتا ہوں۔ لیکن پھر بھی ہم اُسے نہیں محسوس کر سکے تو یہ سراسر ہماری اپنی سمجھ کا قصور ہے۔

For more notes & academic material visit our Website or install our Mobile App
Website: www.downloadclassnotes.com Mobile App: bit.ly/DCNApp

مشق

سوال نمبر۱: درج ذیل اشعار کی تشریح کیجیے:

(۱) اُسی سے دور رہا اصل مدعا جو تھا | گئی یہ عمر عزیز آہ! رایگاں میری
(۲) دیا دکھائی مجھے تو اُسی کا جلوہ میرؔ | پڑی جہان میں جا کر نظر جہاں میری
(۳) تھا مُستعار حُسن سے اُس کے جو نور تھا | خورشید میں بھی اُس ہی کا ذرّہ ظہور تھا
(۴) کہنے لگا کہ دیکھ کے چل راہ بے خبر | میں بھی کبھو کِسو کا سر پُر غرور تھا

(جواب) ان اشعار کی تشریح درج بالا غزلیات میں ملاحظہ ہوں۔

سوال نمبر۲: درج ذیل اشعار کے محاسن کلام بتائیے:

(۱) مُنعم کے پاس قاقم و سنجاب تھا تو کیا؟ | اُس رند کی بھی رات کٹی جو کہ عُور تھا
(۲) تیرے فراق میں جیسے خیال مُفلس کا | گئی ہے فکرِ پریشاں کہاں کہاں میری

(جواب) (۱) پہلے شعر میں "منعم" کی رعایت سے "قاقم و سنجاب" کا استعمال مراۃ النظیر کی مثال ہے۔ اسی طرح معنوی اعتبار سے "منعم" اور "رند" میں تضاد ہے۔

(۲) دوسرے شعر میں تکرارِ لفظی اور صنعتِ تشبیہ کا استعمال کیا گیا ہے۔ میر تقی میر نے "فکر پریشاں" کو "مفلس" سے تشبیہ دی ہے اور "کہاں کہاں" تکرارِ لفظی کے طور پر استعمال ہوا ہے۔

سوال نمبر۳: درج ذیل اشعار میں مناسب جگہوں پر رموز اوقاف استعمال کیجیے:

(۱) بنگلے سبھوں نے ہر جا اُونچے چھوائے زردے | میوے، مٹھائی، انبہ، انگور اور سردے
(۲) پکوان تازے تازے خاصے پلاؤ زردے | برسے ہے ابرِ باراں کھلوا رہے ہیں پردے

(جواب)

(۱) بنگلے سبھوں نے ہر جا، اُونچے چھوائے زر، دے | میوے، مٹھائی، انبہ، انگور اور سردے
(۲) پکوان تازے تازے، خاصے پلاؤ، زردے | برسے ہے ابرِ باراں، کھلوا رہے ہیں پردے

سوال نمبر۴: درج ذیل الفاظ و تراکیب کے مفہوم کی وضاحت کیجیے۔

الفاظ و تراکیب	معنی	الفاظ و تراکیب	معنی	الفاظ و تراکیب	معنی

☆ نوٹ: درج ذیل شعر جس کا ٹکڑا "پہنچا جو آپ کو" محاورے کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔ غزل ۲ میں موجود نہیں ہے۔ مکمل شعر ملاحظہ ہو:

پہنچا جو آپ کو تو میں پہنچا خدا کے تئیں | معلوم اب ہوا کہ بہت میں بھی دور تھا

صوتِ جرس	قافلے کے پیچھے بجنے والے گھنٹے کی آواز	فکرِ پریشاں	ذہنی طور پر پریشان/ الجھن میں مبتلا ہونا	مستعار	اُدھار لینا
عمرِ عزیز	پیاری زندگی	کاسۂ سر	کھوپڑی		

سوال نمبر ۵: درست جواب پر (✓) کا نشان لگایئے:

(۱) "شکستوں" سے مراد ہے:

(الف) ہارنا (ب) **ٹوٹ پھوٹ** ✓ (ج) ٹھوکریں (د) نا اُمیدیاں

(۲) "فکرِ پریشاں" کا مطلب ہے:

(الف) بے چین نظر (ب) متلاشی نظر

(ج) پریشاں فکر (د) **دوست کی جدائی میں بے چین خیال** ✓

(۳) "پہنچا جو آپ کو" اس محاورے کے معنی ہیں:

(الف) آپ کے پاس پہنچ گیا (ب) **اپنے آپ کو پہچان گیا** ✓

(ج) آپ کے پاس بھیجا گیا (د) آپ کے پاس جیسے ہی پہنچا

(۴) "رشکِ حور" کا مفہوم ہے:

(الف) حور کے لیے باعث رشک (ب) حور پر رشک کرنے والا

(ج) حور جس پر فدا ہو (د) **حور جس پر رشک کرے** ✓

(۵) لفظ "استخوان" کا مطلب ہے:

(الف) دسترخوان (ب) آہنی ٹوپی (ج) خوان چہ (د) **ڈھانچا** ✓

خواجہ حیدر علی آتش

پیدائش ۱۷۷۸ء ۔وفات ۱۸۴۸ء

تعارف شاعر: خواجہ حیدر علی آتش ایک صوفی گھرانے میں آنکھ کھولی۔ والد کی اچانک وفات کے سبب تعلیم کا سلسلہ بھی ادھورا چھوڑنا پڑا لیکن بعد میں ذاتی کوششوں اور مطالعے سے اس کمی کو پورا کیا۔ تلوار بازی میں بھی ملکہ حاصل تھا۔ یہ وہ دور ہے جب دلّی اور لکھنؤ کی مسابقت حد درجے بڑھ گئی تھی اور اہلِ لکھنؤ، رنگِ دلّی سے جدا ہونے کے لیے زبان و بیان اور مضامین میں تبدیلی کی شعوری کوششیں کر رہے تھے۔ زبان و بیان کے اس معرکے کے نتیجے میں جنم لینے والی "طرزِ جدید" کے سرخیل امام بخش ناسخ تھے۔ اس "طرزِ جدید" میں خارجیت اور مصنوعیت، غالب تھی اور دلی جذبات اور سچا عشق دور دور تک نظر نہیں آتے تھے۔ فقط "ظاہری حسن" ہی کو مرکزِ بیان کی حیثیت حاصل تھی۔ آتش کا کلام اصل میں دلی جذبات کی حدت اور اردو شاعری کی قدیم روایتوں کے سانچے میں ڈھلا نظر آتا ہے۔ اگرچہ آتش بھی ابتدا میں "طرزِ جدید" کے طوفان میں بہہ گئے تھے لیکن جلد ہی سچی شاعری کی طرف لوٹ آئے۔ اسی جذبہ واحساس اور زندگی سے کشید زندہ تجربوں اور سادہ گوئی پر مبنی شاعری ہی نے ان کو اردو شاعری میں حیاتِ جاوید عطا کر دی ہے۔

تصانیف: دیوانِ آتش

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
خلق خدا	لوگ	غائبانہ	غیر موجودگی میں	زر بہ کف	(صنعتِ حسن تعلیل ہے) اپنے ہاتھ میں سونا لیے ہوئے
قارون	ایک نہایت ہی امیر شخص جس کے خزانے چالیس گھر تھے	اسپ عمر	زندگی کا گھوڑا (مراد زندگی)	مہمیز	سوار کی ایڑھی میں لگی ہوئی لوہے کی کیل یا نوک دار آلہ
زیست	زندگی	طبل	ڈھول/نقارہ	علَم	جھنڈا/پرچم
نہال	خوش	باغ بان	مالی	بارِ گراں	نا قابل برداشت بوجھ/مصیبت
قفس	پنجرا	صیاد	شکاری	-	-

حوالہ شعر: یہ شعر نصاب میں شامل خواجہ حیدر علی آتش کی غزل سے لیا گیا ہے۔

For more notes & academic material visit our Website or install our Mobile App
Website: www.downloadclassnotes.com Mobile App: bit.ly/DCNApp

غزل ۱

شعر ۱: سُن تو سہی جہاں میں ہے تیرا فسانہ کیا؟ کہتی ہے تجھ کو خلقِ خدا غائبانہ کیا

بنیادی خیال: کوشش کرو کہ دنیا تمھیں اچھے نام سے یاد کرے۔

تشریح: اس شعر میں آتش لکھتے ہیں کہ انسان دنیا میں اپنے اعمال سے پہچانا جاتا ہے۔ وہ لوگوں کے درمیان رہ کر جیسی زندگی گزار جاتا ہے لوگ اُسے اُسی طرح یاد کرتے ہیں۔ لہٰذا اے انسان اگر تجھے اپنے لیے کوئی بہتر فیصلہ چاہیے تو لوگوں کے درمیان سے ہٹ جا اور چھپ کر جاننے کی کوشش کر کہ تیری غیر موجودگی میں لوگ تجھے کیا کہتے ہیں اور پھر اپنی آئندہ زندگی کا لائحہ عمل اُسی روشنی میں طے کر۔ کیوں کہ مرنے کے بعد تجھے یہ موقع نصیب نہیں ہوگا۔

شعر ۲: زیرِ زمیں سے آتا ہے جو گل سو زر بہ کف قاروں نے راستے میں لُٹایا خزانہ کیا؟

بنیادی خیال: جیسا بیج ہوتا ہے ویسا ہی پھول کھلتا ہے۔

تشریح: یہ شعر قارون کے اُس واقعے کی تلمیح ہے کہ وہ جہاں سے گزرتا تھا خزانہ لُٹاتا ہوا جاتا تھا۔ گویا کہ اُس کی دولت زمین پر بکھری پڑی رہتی تھی۔ اسی بات کو آتش نے ایک خوب صورت مضمون کا روپ دے کر لکھا ہے کہ جب بھی میں زمین سے اُگنے والے ان حسین پھول پودوں کو دیکھتا ہوں تو مجھے کسی بیش قیمت خزانے سے کم نہیں لگتے۔ میرے دل میں بار بار یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ یہ بھی کسی قارون کی اُس دولت کا نتیجہ ہیں جو بیج بن کر زمین میں سما گئی۔ یعنی شاعر یہ کہتا ہے کہ خالق کائنات نے بھی حسن و جمال کی یہ دولت زمین پر بکھیر دی جو اس قدر حسین پھول پودوں کی شکل میں ظاہر ہو رہی ہے۔

شعر ۳: اُڑتا ہے شوق راحتِ منزل سے اسپ عمر مہمیز کہتے ہیں کسے اور تازیانہ کیا!

بنیادی خیال: عمر بہت تیزی سے ڈھلتی ہے۔

تشریح: اس شعر میں آتش کہتے ہیں کہ انسانی عمر کا گھوڑا تیز رفتاری سے عیش و آرام کی منزل کی تلاش میں دوڑتا رہتا ہے۔ اُسے کسی اور چابک یا تحریک کی ضرورت نہیں ہے۔ انسان کی خواہشات ہی اُسے دوڑانے کے لیے کافی ہیں۔

شعر ۴: طبل و علم ہے پاس نہ اپنے، ہے ملک و مال ہم سے خلاف ہو کے کرے گا زمانہ کیا!

بنیادی خیال: مفلس کو کسی دشمنی کی پروا نہیں ہوتی۔

تشریح: اس شعر میں آتش لکھتے ہیں کہ غربت اور بے سروسامانی کا بڑا فائدہ یہ ہے کہ انسان کو نہ چوری کا خطرہ ہوتا ہے، نہ دھوکے کا اور نہ مخالفت کا۔ کیوں کہ غریب آدمی کے پاس ایسی کوئی چیز ہوتی ہی نہیں کہ جو کسی اور کے کام کی ہو۔ لہٰذا وہ ہر طرح کی مخالفت سے بے فکر ہو کر پاؤں پھیلا کر سوتا ہے۔

شعر ۵: آتی ہے کس طرح سے مری قبضِ روح کو دیکھو تو موت ڈھونڈ رہی ہے بہانہ کیا!

بنیادی خیال: موت بہانا ڈھونڈتی ہے۔

For more notes & academic material visit our Website or install our Mobile App
Website: www.downloadclassnotes.com Mobile App: bit.ly/DCNApp

تشریح: اس شعر میں آتش لکھتے ہیں کہ اس دنیا میں ہر انسان کی موت کا کوئی نہ کوئی بہانا ہوتا ہے۔ جس کے ذریعے موت کا فرشتہ انسان کی روح قبض کرتا ہے۔ میں سوچتا ہوں کہ نہ جانے موت نے تیرے لیے کیا بہانہ سوچ رکھا ہے۔ لیکن یہ اُسی وقت پتا چلے گا جب زندگی ہاتھ میں نہیں رہے گی۔

شعر۶: یوں مدعی حسد سے نہ دے داد، تو نہ دے　　　آتش غزل یہ تُونے کہی عاشقانہ کیا!

بنیادی خیال: خوبی داد کی محتاج نہیں ہوتی۔

تشریح: اس شعر میں آتش اپنے آپ کو داد دیتے ہوئے کہہ رہے ہیں کہ اے آتش تو نے غزل تو بہت شاندار کہی ہے جو ہر اعتبار سے اعلیٰ معیار کا نمونہ ہے اور ہر اعتبار سے لائق داد ہے۔ دنیا تیری تعریف کر رہی ہے جب کہ شعرا حضرات تیرے رقیب بن کر اس لیے تجھے داد نہیں دے رہے کہ وہ تجھ سے حسد میں مبتلا ہو گئے ہیں، کیوں کہ ایسی شاعری اُن کے بس کی بات نہیں۔

غزل ۲

شعر۱: چمن میں رہنے دے کون آشیاں، نہیں معلوم　　　نہال کس کو کرے باغ باں، نہیں معلوم

بنیادی خیال: قدرت کے کاموں میں کسی کو دخل نہیں۔

تشریح: اس شعر میں آتش اللہ تعالیٰ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اے خدا اس دنیا کے باغ کا تو ہی رکھوالا ہے اور تو ہی خالق و مالک۔ ہم تو اس باغ میں کھلنے والے پھول یا اُڑنے والے پرندے ہیں۔ ہمارے آشیانے، گھر سب تیرے ہی کرم کے محتاج ہیں، تُو جسے چاہے آباد کر دے، جسے چاہے خوشیاں اور رنگوں سے بھر دے۔ ہم تو بس تیری طرف اُمید لگائے بیٹھے ہیں۔

شعر۲: اخیر ہو گئے غفلت میں دن جوانی کے　　　بہارِ عمر ہوئی کب خزاں، نہیں معلوم

بنیادی خیال: عمر کے ڈھلنے کی خبر نہیں ہوئی۔

تشریح: اس شعر میں آتش لکھتے ہیں کہ جوانی کا زمانہ انسان کی زندگی کا سب سے حسین اور گمراہ کن ہوتا ہے۔ یہ وہ وقت ہوتا ہے کہ انسان کو کسی بات کی پروا نہیں ہوتی۔ وہ ہر نفع نقصان سے غافل زندگی کے عیش و آرام میں مگن رہتا ہے، اُسے وقت گزرنے کا پتا ہی نہیں چلتا۔ احساس اُس وقت ہوتا ہے جب زندگی کی اس بہار پر عمر کی خزاں آ جاتی ہے۔ تب اُسے احساس ہوتا ہے کہ میں نے اپنی جوانی کا زمانہ غفلت میں ضائع کر دیا۔

شعر۳: سُپرد کس کے مرے بعد ہو امانتِ عشق　　　اُٹھائے کون یہ بارِ گراں، نہیں معلوم

بنیادی خیال: میں عشق کا امانت دار ہوں۔

تشریح: اس شعر میں آتش فرماتے ہیں کہ مجھ سے پہلے کے لوگ عشق کی دولت کا بوجھ ایک دوسرے کے سپرد کرتے ہوئے آئے تھے، انھی سے یہ امانت مجھ تک آ گئی اور میں نے یہ بھاری بوجھ اپنے کندھوں پر سنبھالے رکھا ہے۔ لیکن میں اب سوچتا ہوں کہ اپنے بعد یہ امانت کس کے سپرد کروں گا اور کون ایسا ہو گا جو میرے بعد عشق کا یہ بوجھ اُٹھائے گا۔

For more notes & academic material visit our Website or install our Mobile App
Website: www.downloadclassnotes.com Mobile App: bit.ly/DCNApp

شعر۴: کھلی ہے خانۂ صیاد میں ہماری آنکھ — قفس کو جانتے ہیں، آشیاں نہیں معلوم

بنیادی خیال: ہم تو پیدائشی قیدی ہیں۔

تشریح: اس شعر میں آتش لکھتے ہیں کہ قید خانہ ہمارے لیے کوئی نئی چیز نہیں، اس سے ہم اچھی طرح آشنا ہیں، کیوں کہ ہم پیدا ہی قید خانہ میں ہوئے ہیں اور ہم نے آزادی کا زمانہ دیکھا ہی نہیں۔

شعر۵: چھٹیں گے زیست کے پھندے سے کس دن اے آتش — جنازہ ہوگا کب اپنا رواں نہیں معلوم

بنیادی خیال: پتا نہیں موت کب آئے گی۔

تشریح: اس شعر میں آتش لکھتے ہیں کہ موت اصل حقیقت ہے، سب کو اس دنیا سے جانا ہے ہمیں بھی ایک دن اس کا مزا چکھنا ہوگا، لیکن نہ جانے وہ کون سا دن ہوگا جب ہم زندگی کے اس پھندے سے آزاد ہو جائیں گے اور ہمارا بھی جنازہ قبرستان کی طرف روانہ ہو جائے گا۔

مشق

سوال نمبر۱: درج ذیل اشعار کی تشریح کیجیے:

(۱) اُڑتا ہے شوقِ راحتِ منزل سے اسپِ عمر — مہمیز کہتے ہیں کسے اور تازیانہ کیا؟

(۲) سپرد کس کے مرے بعد ہو امانتِ عشق — اُٹھائے کون یہ بارِ گراں، نہیں معلوم

(جواب) ان اشعار کی تشریح درج بالا غزلیات میں ملاحظہ ہوں۔

سوال نمبر۲: درج ذیل اشعار کے محاسن کلام بتایئے:

(۱) زیر زمیں سے آتا ہے جو گل سو زر بہ کف — قاروں نے راستے میں لُٹایا خزانہ کیا

(۲) چمن میں رہنے دے کون آشیاں، نہیں معلوم — نہال کس کو کرے باغ باں، نہیں معلوم

(جواب) (۱) پہلے شعر میں "صنعتِ حسنِ تعلیل" اور "صنعتِ تلمیح" استعمال کی گئی۔ صنعتِ تعلیل میں شاعر حقیقی مضمون کے بجائے شاعرانہ توجیہ کے ذریعے اُس چیز کو پیش کرتا ہے جو حقیقت تو نہیں ہوتی مگر شاعر کے تخیل کی وجہ سے وہ خوب صورت ہو جاتی ہے۔ شاعر "گل سوزر بہ کف" سے مراد لے رہا ہے کہ پھولوں کے اندر سنہری زیرہ دانے موجود ہیں۔ اس شعر میں قارون کا ذکر کیا جا رہا ہے جو تلمیح کہلائے گا۔

(۲) دوسرے شعر میں استعارہ کا بیان ہے۔ اس شعر میں آتش نے "چمن" کو "محبوب" کی محفل میں استعارتاً استعمال کیا ہے۔ اس کے علاوہ تجاہل عارفانہ کا بھی استعمال اس طرح کیا ہے کہ "اللہ" تُو جسے چاہے آباد کر دے، جسے چاہے خوشیاں اور رنگوں سے بھر دے۔ ہمیں نہیں معلوم، ہم تو صرف تیری ہی طرف اُمید لگائے بیٹھے ہیں۔

سوال نمبر۳: درج ذیل اشعار میں مناسب جگہوں پر رموزِ اوقاف استعمال کیجیے:

(۱) پھر کوئی آیا دلِ زار نہیں کوئی نہیں — راہ رو ہوگا کہیں اور چلا جائے گا

(۲) ڈھل چکی رات بکھرنے لگا تاروں کا غبار — لڑکھڑانے لگے ایوانوں سے خوابیدہ چراغ

(جواب)

(۱) پھر کوئی آیا، دلِ زار، نہیں کوئی نہیں — راہ رو ہوگا، کہیں اور چلا جائے گا

(۲) ڈھل چکی رات، بکھرنے لگا تاروں کا غبار — لڑکھڑانے لگے، ایوانوں سے خوابیدہ چراغ

سوال نمبر ۴: درج ذیل الفاظ وتراکیب کے مفہوم کی وضاحت کیجیے:

الفاظ وتراکیب	معنی	الفاظ وتراکیب	معنی	الفاظ وتراکیب	معنی
طبل وعلم	جنگ کی تیاری کے لیے نقارہ اور جھنڈا	نہال	خوش	صیّاد	شکاری
خلقِ خدا	لوگ	اسپ عمر	تیز رفتار زندگی	مدّعی	مخالف/ دعویٰ کرنے والا

سوال نمبر ۵: درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

(۱) لفظ "مہمیز" کے معنی ہیں:

(الف) بڑی میز (ب) مہمانوں کا کمرہ (ج) جس لفظ پر ہمزہ ہو (د) گھوڑے کی رکاب ✓

(۲) "خانہ صیّاد" کہتے ہیں:

(الف) شکاری کے گھر کو (ب) قید خانے کو ✓ (ج) دھوکے باز کو (د) تباہی کا گھر

(۳) "طبل وعلم پاس ہونے" سے مراد ہے:

(الف) جنگ کے لیے تیار ہونا ✓ (ب) صاحبِ اقتدار ہونا

(ج) طاقت ور ہونا (د) ہتھیار موجود ہونا

(۴) آتش کی پہلی غزل کی ردیف ہے:

(الف) فسانہ (ب) کیا ✓ (ج) غائبانہ (د) گن

(۵) دوسری غزل کی ردیف ہے:

(الف) کیا معلوم (ب) خدا معلوم (ج) نہیں معلوم ✓ (د) نا معلوم

For more notes & academic material visit our Website or install our Mobile App
Website: www.downloadclassnotes.com Mobile App: bit.ly/DCNApp

مرزا اسداللہ خاں غالبؔ

پیدائش ۱۷۹۷ء ۔وفات ۱۸۶۹ء

تعارف شاعر: غالب اردو غزل کی آبرو، دل والی شاعری کو دماغ عطا کرنے والے محض حسن وعشق کی شاعری کو فلسفے کی ہمہ گیری بخشنے والے، اپنی جدت ادا سے پامال اور فرسودہ مضامین کو نئی زندگی دینے والے غالب آج بھی اتنے ہی جدید ہیں جتنے ڈیڑھ صدی پیشتر تھے۔ان کے لہجے کا بانکپن، شوخی، پہلوداری اور حقیقت پسندی بے مثال ہے ان کا رشک، طنز اور دو مصرعوں میں "گنجینۂ معنی کا طلسم" پیدا کرنے والا ایجاز واختصار بے نظیر ہے۔ سرمایہ محض ایک دیوان، لیکن قدرو قیمت کہیں زیادہ ہے۔ غالب مشکل پسندی سے بتدریج سادگی کی طرف آئے تو سہل ممتنع کے دریا بہادیے۔ لفظی صناعی بھی اپنا جواب نہیں رکھتے، بے شمار دلکش تراکیب اردو شاعری کو عطا کیں۔

تصانیف: دیوان غالب، مکاتیب غالب، قادر نامہ، عود ہندی، اردوئے معلیٰ، مہر نیمروز، دستنبو قاطع برہان وغیرہ شامل ہیں۔

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
مدعا	معاملہ	سبزہ وگل	تمام ہری چیزیں، مراد بہار کا موسم	سنگ وخشت	پتھر اینٹ
دل فروز	دل کو روشن کرنے والا	مہر نیم روز	آدھے دن کا سورج، مراد انتہائی چمکتا سورج	بندِ غم	غم کی قید
خستہ	شکستہ/ہارا ہوا	قیدِ حیات	زندگی کی پابندی	غالب خستہ	بوڑھا غالب/کمزور غالب

حوالہ شعر: یہ شعر نصاب میں شامل مرزا اسداللہ خاں غالب کی غزل سے لیا گیا ہے۔

غزل ۱

شعر ۱: دل ناداں تجھے ہوا کیا ہے؟ آخر اس درد کی دوا کیا ہے؟

بنیادی خیال: عشق کی دوا کسی کے پاس نہیں ہے۔

تشریح: اس شعر میں غالب لکھتے ہیں کہ جب سے میں عشق مرض میں مبتلا ہوا ہوں، میرا دل میرے بس میں نہیں ہے۔ یہ اپنے فیصلے خود ہی کرتا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ کس طرح اسے راہ راست پر لاؤں، اسے کون سی ایسی دوا دوں، کیا حل نکالوں کہ یہ پہلے جیسا ہو جائے۔

شعر ۲: میں بھی منہ میں زبان رکھتا ہوں کاش پوچھو کہ مدعا کیا ہے؟

بنیادی خیال: بہتر ہے میرا منہ نہ کھلوایا جائے۔

تشریح: اس شعر میں غالب لکھتے ہیں کہ مصلحتوں نے میری زبان پر تالا لگا دیا ہے۔ میرے اندر کہنے کو بہت کچھ ہے لیکن حالات و

واقعات اس بات کی اجازت نہیں دیتے کہ میں اپنا اور دوسروں کا احوال زمانے پر عیاں کروں۔ یہ اور بات ہے کہ کبھی مجھے کوئی ایسا شخص مل جائے جو میرے دل کا احوال پوچھنے کی کوشش کرے تو پھر میں اُسے ضرور بتاؤں گا کہ میرے دل میں کیا کچھ ہے جو میری زبان پر آنے کے لیے بے قرار ہے۔

شعر۳: سبزہ و گل کہاں سے آئے ہیں؟ ابر کیا چیز ہے؟ ہوا کیا ہے؟

بنیادی خیال: معلوم نہیں موسم کیسے بدل جاتا ہے۔

تشریح: اس شعر میں غالب لکھتے ہیں کہ اس کائنات میں جس طرف نظر اُٹھاو ہر چیز اپنے خالق و مالک کی گواہی دیتی نظر آتی ہے۔ وہ سبزہ ہو، رنگ برنگے پھول ہوں۔ آسمان پر رقص کرتے ہوئے بادل ہوں یا سرمئی گھٹائیں ہر چیز کو دیکھ کر ایک ہی سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ کہاں سے آئی ہے، اس کا بھیجنے والا کون ہے۔ کس کا بنانے والا تھا۔ کیوں کہ کائنات کی یہ حسین ترتیب کسی صنعت گر کے بغیر ممکن نہیں۔

شعر۴: ہاں بھلا کر ترا بھلا ہوگا اور درویش کی صدا کیا ہے؟

بنیادی خیال: بھلائی کا بدلہ بھلا ہوتا ہے۔

تشریح: اس شعر میں غالب لکھتے ہیں کہ یہ دنیا مکافاتِ عمل ہے، آپ جیسا کریں گے ویسا ہی صلہ پائیں گے۔ بھلائی کریں گے تو اُس کا نتیجہ بھلے کی صورت میں نکلے گا اور برائی کریں گے تو نتیجہ برا ہوگا۔ لہٰذا میرا مشورہ ہے کہ برائی کو بھول کر بھلائی پر توجہ دیں۔

شعر۵: میں نے مانا کہ کچھ نہیں غالبؔ مفت ہاتھ آئے تو بُرا کیا ہے؟

بنیادی خیال: غالب بہت چھوٹا سا آدمی ہے۔

تشریح: اس شعر میں غالب لکھتے ہیں کہ مجھے معلوم ہے کہ یہ معاشرہ میری قدر نہیں کرتا۔ لیکن پھر بھی میں یہ کہتا ہوں کہ ٹھیک ہے میری کوئی حیثیت نہیں نہ سہی لیکن میں آپ لوگوں سے وابستہ ہو گیا ہوں تو کیا برائی ہے۔

غزل ۲

شعر۱: دل ہی تو ہے، نہ سنگ و خشت، درد سے بھر نہ آئے کیوں روئیں گے ہم ہزار بار، کوئی ہمیں ستائے کیوں

بنیادی خیال: جیسا سلوک ہوگا، ویسا ہی ردِعمل ہوگا۔

تشریح: اس شعر میں غالب لکھتے ہیں کہ قدرت نے انسان کو ایک دردمند دل عطا کیا ہے، تاکہ وہ اچھی بری باتوں کا احساس کر سکے اور مجھ پر اپنے ردِعمل کا مظاہرہ بھی کرے۔ ہمارے آنسو بھی ہمارے ساتھ ہونے والے سلوک کا ردِعمل ہیں، کیوں کہ زمانہ ہمیں ستا رہا ہے اس لیے ہماری آنکھ سے آنسو نکل رہے ہیں، جن پر ہمیں کوئی شرمندگی نہیں، کیوں کہ ہم انسان ہیں کوئی اینٹ پتھر نہیں، ہمیں اللہ نے ایک دھڑکتا ہوا دل عطا کیا ہے جو ہر برے سلوک پر ہماری آنکھ سے آنسو رواں کر دیتا ہے۔

شعر۲: دیر نہیں، حرم نہیں، در نہیں، آستاں نہیں بیٹھے ہیں رہ گزر پہ ہم، غیر ہمیں اٹھائے کیوں

For more notes & academic material visit our Website or install our Mobile App
Website: www.downloadclassnotes.com Mobile App: bit.ly/DCNApp

بنیادی خیال: غیروں سے مدد نہ کرنے کی شکایت نہیں ہوتی۔

تشریح: اس شعر میں غالب لکھتے ہیں کہ ہماری زندگی ناکامی، محرومی اور بے سروسامانی سے عبارت ہے، نہ ہم دین دار بن سکے اور نہ ہی دنیاداری ہمارے کام آسکی۔ ہماری مثال زندگی میں اُس بے سروسامان مسافر کی سی ہے جو راستے کے بیچ میں بیٹھا ہوا ہے، اُسے اُٹھا کر منزل پر پہنچانے والا کوئی نہیں۔

شعر ۳: جب وہ جمالِ دل فروز، صورتِ مہرِ نیم روز آپ ہی ہو نظارہ سوز، پردے میں منھ چھپائے کیوں

بنیادی خیال: پتا نہیں خدا نے اپنے آپ کو کیوں چھپا رکھا ہے۔

تشریح: اس شعر میں غالب اللہ تعالیٰ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہر چند کہ اللہ تعالیٰ کا حسن و جمال ذرے ذرے سے عیاں ہے، کائنات کا کوئی گوشہ اُس کے نظارے سے خالی نہیں، حتیٰ کہ اُس کا جلوہ دوپہر میں چمکنے والے سورج کی طرح کائنات پر عیاں ہے لیکن اُس کے باوجود اُس نے اپنے آپ کو پردے میں چھپا رکھا ہے۔ اور یہی بات ہماری عقل سے ماورا ہے۔

شعر ۴: قیدِ حیات و بندِ غم اصل میں دونوں ایک ہیں موت سے پہلے، آدمی غم سے نجات پائے کیوں

بنیادی خیال: زندگی کی مشکلات زندگی کے ساتھ ہی ختم ہوتی ہیں۔

تشریح: انسان کی زندگی غم و افسوس اور مسائل سے عبارت ہے۔ اور یہ سب چیزیں زندگی کی اُس قید سے وابستہ ہیں جس پر انسان کا بس نہیں چلتا۔ نہ تو وہ اپنی مرضی سے اپنی زندگی میں کوئی تبدیلی لاسکتا ہے اور نہ ہی ناکامیوں سے تنگ آکر زندگی کی قید سے نکل سکتا ہے۔ اُسے بہرحال ان مسائل سے نجات کے لیے موت کا انتظار کرنا ہی پڑتا ہے۔ یہی وہ حقیقت ہے جو انسان کو ہر طرح کے مسئلہ اور زندگی کی قید سے رہائی دلاتی ہے۔

شعر ۵: غالبؔ خستہ کے بغیر، کون سے کام بند ہیں روئیے زار زار کیا، کیجیے ہائے ہائے کیوں

بنیادی خیال: کسی کے بغیر کوئی کام نہیں رُکتا۔

تشریح: اس شعر میں غالب لکھتے ہیں کہ انسان کو یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ یہ کائنات اُس کے دم سے چل رہی ہے۔ دنیا میں لوگ آتے ہیں اور چلے جاتے ہیں، لیکن زندگی کا پہیہ اسی طرح چلتا رہتا ہے۔ آپ نہیں ہوں گے تو آپ کے بغیر بھی یہ دنیا چلتی رہے گی۔ کوئی کام بند نہیں ہوگا۔ لہٰذا بغیر کسی چوں چرا کے زندگی گزار کے چلے جائیں۔

مشق

سوال نمبر ۱: درج ذیل اشعار کی تشریح کیجیے:

(۱) دلِ ناداں تجھے ہوا کیا ہے آخر اس درد کی دوا کیا ہے؟

(۲) قیدِ حیات و بندِ غم، اصل میں دونوں ایک ہیں موت سے پہلے آدمی، غم سے نجات پائے کیوں

(جواب) ان اشعار کی تشریح درج بالا غزلیات میں ملاحظہ ہوں۔

Visit www.downloadclassnotes.com for Notes, Old Papers, Home Tutors, Jobs, IT Courses & more.

For more notes & academic material visit our Website or install our Mobile App
Website: www.downloadclassnotes.com Mobile App: bit.ly/DCNApp

سوال نمبر ۲: غالب کا کلام کیا کہلاتا ہے؟ اور یہ کس نوعیت کا ہے؟

(جواب)

گنجینۂ معنی کا طلسم اس کو سمجھیے ۔۔۔ جو لفظ کہ غالبؔ مرے اشعار میں آوے

غالب خود اپنے درج بالا شعر میں اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ اُن کے یہاں معنی کا خزانہ موجود ہے۔ ان کا رشک، طنز اور "گنجینۂ معنی کا طلسم" پیدا کرنے والا ایجاز واختصار بے نظیر ہے۔ عبدالرحمن بجنوری دیوان غالب کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ ایک "الہامی" کتاب ہے۔ غالب اپنی جدت ادا سے پامال اور فرسودہ مضامین کو نئی زندگی دیتے ہیں۔ ان کے لہجے کا بانکپن، شوخی، پہلوداری اور حقیقت پسندی بے مثال ہے۔ وہ آج بھی اتنے ہی جدید ہیں جتنے ایک صدی پیشتر تھے۔

سوال نمبر ۳: درج ذیل الفاظ وتراکیب کے مفہوم کی وضاحت کیجیے۔

الفاظ وتراکیب	معنی	الفاظ وتراکیب	معنی	الفاظ وتراکیب	معنی
سبزہ وگل	بہار کا موسم	مدعا	معاملہ	جمال دل فروز	دل کو روشن کرنے والا حسن
مہر نیم روز	آدھے دن کا سورج	نظارہ سوز	غمگین نظارہ		

سوال نمبر ۴: درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

(۱) "سنگ وخشت" کے معنی ہیں:

(الف) ساتھ ساتھ (ب) **اینٹ پتھر** ✓ (ج) سینگ (د) دیوانہ

(۲) لفظ "دیر" کے معنی ہیں:

(الف) تاخیر (ب) شمالی علاقے کا شہر

(ج) **غیر اسلامی عبادت گاہ** ✓ (د) گھر

(۳) "مہر نیم روز" کا مطلب ہے:

(الف) آدھے دن کا روزہ (ب) آدھی مہربانی

(ج) بیوی کی آدھی مہر (د) **ٹھیک آدھے دن کا سورج** ✓

(۴) غالب کی غزل ۲ میں "خستہ" سے مراد ہے:

(الف) کرارا (ب) **ٹوٹا ہوا** ✓ (ج) زخمی (د) مفلس

(۵) محاورہ "منہ میں زبان رکھنا" سے مراد ہے:

(الف) منہ میں جیبھ (گوشت کا عضو ہونا) (ب) بولی جاننا

(ج) وعدہ کرنا (د) **بات کرنے کی جرات کرنا** ✓

For more notes & academic material visit our Website or install our Mobile App
Website: www.downloadclassnotes.com Mobile App: bit.ly/DCNApp

مرزا داغ دہلوی

پیدائش ۱۸۳۱ء ۔وفات ۱۹۰۵ء

تعارف شاعر: نواب مرزا خاں نام اور داغ تخلص تھا۔آپ کے والد نواب شمس الدین خاں لوہارو خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔داغ کے والد کے انتقال کے بعد آپ کی والدہ نے بہادر شاہ ظفر کے بیٹے مرزا فخرو سے شادی کر لی۔اس طرح داغ کی پرورش قلعہ میں ہوئی۔داغ کی زبان بنانے اور سنوارنے میں ذوق کی تربیت کا بڑا دخل ہے۔بعد میں نواب کلب علی خان نے داغ کی قدردانی فرمائی اور باقاعدہ ملازمت دے کر اپنی مصاحبت میں رکھا۔نواب کلب علی خان کی وفات کے بعد داغ نے حیدرآباد دکن کا رخ کیا۔آپ کو نظام دکن میر محبوب علی خاں کی استادی کا شرف حاصل ہوا۔دبیر الدولہ، فصیح الملک، نواب ناظم جنگ بہادر کے خطاب ملے۔داغ دہلوی کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ انھوں نے اپنی شاعری کو پیچیدہ اور مشکل تراکیب، فارسی اور عربی کے غیر مانوس الفاظ سے بچانے کی کوشش کی ہے اور سیدھی سادی زبان میں واقعات اور محسوسات کو بیان کیا ہے۔تصانیف: گلزارِ داغ، آفتابِ داغ، مہتابِ داغ، یادگارِ داغ۔

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی	الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
کسر	کمی	غنیمت	مناسب	بسا	اکثر	نباہ	گزارا/رفاقت

حوالہ شعر: یہ شعر نصاب میں شامل مرزا داغ دہلوی کی غزل سے لیا گیا ہے۔

غزل

شعر۱: اب دل ہے مقام بے کسی کا   یوں گھر نہ تباہ ہو کسی کا

بنیادی خیال: دل کی تباہی زندگی کی تباہی ہے۔

تشریح: اس شعر میں داغ کہتے ہیں کہ جب تک میرا محبوب میرے دل میں بسا ہوا تھا، تو میرا دل کسی روشن گھر کی مانند پُررونق تھا، لیکن جیسے ہی میرا محبوب اس گھر کو چھوڑ کر گیا، تب سے یہ دل بے بسی اور بے کسی کا نمونہ بن گیا ہے۔اس سے بڑا صدمہ کوئی نہیں۔اللہ سے دعا ہے کہ وہ محبوب کی جدائی کا دکھ نہ دے۔

شعر۲: اتنی ہی تو بس کسر ہے تم میں   کہنا نہیں مانتے کسی کا

بنیادی خیال: محبوب کسی کی بات نہیں مانتا۔

تشریح: اس شعر میں داغ اپنے محبوب سے مخاطب ہوتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آپ یوں تو تمام خوبیوں کا مرقع ہیں، کوئی ایسی صفت نہیں جو آپ میں موجود نہ ہو، کمی ہے تو بس یہ ہے کہ آپ نہایت خودسر ہیں اور کسی کی بات ماننے کو تیار نہیں ہیں۔

شعر۳: جو دم ہے وہ ہے بسا غنیمت   سارا سودا ہے جیتے جی کا

بنیادی خیال: زندگی کے سب مسائل زندگی کے ساتھ ہیں۔

Visit www.downloadclassnotes.com for Notes, Old Papers, Home Tutors, Jobs, IT Courses & more.

تشریح: اس شعر میں داغ لکھتے ہیں کہ کائنات کی ساری خوشیاں، مسائل، دکھ درد سب کچھ انسانی سانس کے ساتھ ہیں۔ زندگی ہے تو سب کچھ ہے زندگی نہیں تو کچھ بھی نہیں۔ زندگی کے ختم ہوتے ہی سب کچھ اچھا برا بھی ساتھ ہی ختم ہو جاتا ہے۔

شعر ۴: آغاز کو کون پوچھتا ہے انجام اچھا ہے جیتے جی کا

بنیادی خیال: آدمی کا خاتمہ خیر پر ہونا چاہیے۔

تشریح: اس شعر میں داغ انسانی زندگی کے آغاز یعنی پیدائش اور انجام یعنی موت دونوں باتوں کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ آدمی کا پیدا ہونا کوئی غیر معمولی واقعہ نہیں ہوتا لیکن اُس کی موت اس اعتبار سے قابل توجہ ہوتی ہے کہ اُس نے زندگی کس طرح گزاری کیوں کہ انسان کا انجام ہی اس بات کی گواہی ہوتا ہے کہ اُس نے اپنی تمام عمر میں معاشرے کو کیا دیا۔

شعر ۴: ایسے سے جو داغ نے نباہی سچ ہے کہ یہ کام تھا اُسی کا

بنیادی خیال: داغ بڑا حوصلہ مند آدمی ہے۔

تشریح: اس شعر میں داغ لکھتے ہیں کہ میرا محبوب انتہائی سرکش اور بے قابو تھا۔ میں نے اپنے آپ کو مار کے اپنے محبوب کو آگے رکھا۔ لہٰذا میں سمجھتا ہوں کہ میں نے محبوب کی رضا کے لیے جو قربانیاں دی ہیں وہ میری ہمت ہے کسی اور کے بس کی بات نہیں۔

مشق

سوال نمبر ۱: درج ذیل اشعار کی تشریح کیجیے:

(۱) اتنی ہی تو بس کسر ہے تم میں کہنا نہیں مانتے کسی کا

(۲) آغاز کو کون پوچھتا ہے انجام اچھا ہو آدمی کا

(جواب) ان اشعار کی تشریح درج بالا غزل کے شعر ۲ اور شعر ۴ ملاحظہ ہوں۔

سوال نمبر ۲: درج ذیل الفاظ و تراکیب کا مفہوم واضح کیجیے۔

الفاظ و تراکیب	معنی	الفاظ و تراکیب	معنی	الفاظ و تراکیب	معنی
سودا	جنون/ دیوانگی	تباہی	بربادی	کسر ہونا	کمی ہونا/ نقص ہونا
بساغنیمت	ایک حد تک مناسب/ کچھ نہ ہونے سے بہتر	بے کسی	لاچاری/ بے یار و مددگار	-	-

سوال نمبر ۳: درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

☆ جن الفاظ کی صنعت دریافت کی جارہی ہے وہ شامل نصاب غزل کے کسی شعر میں بھی استعمال نہیں ہوئے البتہ داغ کے دیوان میں یہ الفاظ اس شعر میں استعمال ہوئے ہیں۔

پھر دیکھتے ہیں عیش آدمی کا بنا جو فلک میر خوشی کا

For more notes & academic material visit our Website or install our Mobile App
Website: www.downloadclassnotes.com Mobile App: bit.ly/DCNApp

(۱) الفاظ آغاز اور انجام میں صنعت ہے:

(الف) مبالغہ (ب) تشبیہ (ج) تضاد ✓ (د) تعلیل

(۲) الفاظ "عیش، خوشی" میں صنعت ہے:

(الف) تضاد (ب) تعلیل (ج) مبالغہ (د) رعایت لفظی ✓

(۳) الفاظ "اتنی ہی" اور "بسا غنیمت" میں صنعت ہے:

(الف) مبالغہ (ب) رعایت لفظی ✓ (ج) مبالغہ (د) تضاد

(۴) الفاظ "بے کسی اور تباہ" میں صنعت ہے:

(الف) تشبیہ (ب) استعارہ ✓ (ج) رعایت لفظی (د) مبالغہ

(۵) اس غزل میں لفظ "دم" کے معنی ہیں:

(الف) سانس ✓ (ب) پھونک (ج) نسخہ (د) وقت

استعارہ: (الف) آئے نکل کے ابن علی شیر کی طرح (تشبیہ)

(ب) کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے (استعارہ)

(ج) "میرے چاند سے بیٹے ادھر آ۔" (تشبیہ)

(د) "میرے چاند ادھر آ۔" (استعارہ)

مذکورہ مثال (الف) میں امام حسین رضی اللہ عنہ کو شیر جیسا کہا گیا ہے۔ لیکن جزو (ب) میں صرف شیر کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جب کہ شیر سے مراد حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ ہی ہیں۔

مثال (ج) میں ایک ماں اپنے بچے کو چاند جیسا کہہ رہی ہے مگر جزو (د) میں ماں اسی بچے کو چاند کہہ کر مخاطب کر رہی ہے۔

"استعارہ" کے لفظی معنی اُدھار یعنی مستعار لینے کے ہیں۔ اگر کوئی لفظ اپنے مجازی معنوں میں اسی طرح استعمال ہو کہ اُس کے حقیقی معنی اور مجازی معنوں میں تشبیہ کا تعلق ہو تو اُسے استعارہ کہیں گے۔ جیسے امثال بالا میں شیر اور چاند استعارے ہیں۔

ارکان استعارہ: مُستعار منہ: وہ شخص یا چیز جس سے کوئی لفظ یا خوبی اُدھار لی جائے۔ (درج بالا مثالوں میں شیر۔ چاند)

مُستعار لہ: وہ شخص یا چیز جس کے لیے کوئی لفظ یا خوبی اُدھار لی جائے۔ (درج بالا مثالوں میں امام حسین رضی اللہ عنہ۔ بچہ)

وجہِ استعارہ: مُستعار منہ اور مُستعار لہ میں موجود مشترک خوبی۔ (درج بالا مثالوں میں بہادری، خوب صورتی)

سوال نمبر ۴: درج ذیل مصرعوں میں استعارہ اور ارکانِ استعارہ تلاش کیجیے۔

(الف) اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی (ب) اس باغ میں چشمے ہیں ترے فیض کے جاری

(جواب)

(الف) اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی۔ مصرع میں مستعار منہ "شیروں" ہے۔ مستعار لہ "مجاہدین" ہیں اور وجہِ استعارہ "بہادری" ہے۔

(ب) اس باغ میں چشمے ہیں ترے فیض کے جاری۔ اس مصرع میں مستعار منہ "باغ"، مستعار لہ "دنیا" کے لیے اور وجہ استعارہ "خوبصورتی اور حسن و جمال" ہے۔

سوال نمبر ۵: تشبیہ اور استعارے کا باہمی فرق بتائیے۔

(جواب) علم بیان کی رو سے جب کسی ایک شے کی کسی اچھی یا بری خصوصیت کو کسی دوسری شے کی اچھی یا بری خصوصیت کے معنی قرار دیا جائے تو اسے تشبیہ کہتے ہیں۔ تشبیہ کے پانچ ارکان ہوتے ہیں۔ جب کہ استعارہ یہ ہے کہ اگر کوئی لفظ اپنے مجازی معنوں میں اسی طرح استعمال ہو کہ اس کے حقیقی اور مجازی معنوں میں تشبیہ کا تعلق ہو تو اسے استعارہ کہتے ہیں۔ ارکان استعارہ تین ہیں۔

استعارہ اور تشبیہ میں یہ فرق ہے کہ استعارہ تشبیہ سے زیادہ بلیغ ہوتا ہے۔ تشبیہ میں ایک چیز کو دوسری جیسا قرار دیا جاتا ہے جب ان میں کوئی صفت یا خوبی مشترک ہو لیکن استعارے میں ایک چیز کو ہو بہو دوسری چیز مان لیا جاتا ہے۔ تشبیہ میں مشبہ اور مشبہ بہ دونوں کا ذکر کیا جاتا ہے جب کہ استعارہ میں مستعار لہ (جسے تشبیہ میں مشبہ کہتے ہیں) نہیں لکھا جاتا صرف مستعار منہ (جسے تشبیہ میں مشبہ بہ کہتے ہیں) کا ذکر ہوتا ہے۔ گویا استعارہ میں صرف اس چیز کا ذکر ہوتا ہے جس کو استعارہ بنایا جائے جب کہ تشبیہ میں دونوں کا ذکر کیا جاتا ہے کبھی حرف تشبیہ کے ساتھ اور کبھی حرف تشبیہ کے بغیر۔

حسرتؔ موہانی (سید فضل الحسن)

پیدائش ۱۸۷۵ء ۔ وفات ۱۹۵۱ء

تعارف شاعر: سید فضل الحسن نام اور "حسرت" تخلص تھا۔ آپ اودھ کے ایک چھوٹے سے قصبے موہان میں پیدا ہوئے۔ اس دور میں غزل، حالیؔ کی تنقید کے تیز نشتروں کا ہدف بن کر منتشر خیالی، تنگ دامنی، یکسانیت اور اخلاقی بے راہ روی جیسے الزامات سے لہولہو ہو چکی تھی۔ انگریزی ادب کے تتبع میں بڑھتے ہوئے نظم گوئی کے رجحان نے غزل کو تنہا کر دیا تھا۔ حسن و عشق کے مضامین کو جو لہو بن کر غزل کے بدن میں دوڑتے ہیں مقصدی جذبے کے غلبے کے سبب شجرِ ممنوعہ قرار دیا جا چکا تھا اور یوں غزل کو "اردو بدر" کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی گئی تھی۔ حسرتؔ نے اس غزل دشمن فضا میں غزل کی نشاۃ الثانیہ کا عظیم کارنامہ سرانجام دیا اور "رئیس المتغزلین" کے لقب سے نوازے گئے۔ حسرتؔ اردو کے تمام صحت مند روایات کے چشموں سے سیراب ہوئے۔ میرؔ کا گداز، مصحفیؔ کی سادہ گوئی، غالبؔ کی انسانی نفسیات، نسیمؔ کی شیریں زبان اور مومنؔ کی معاملہ بندی کے تمام رنگ حسرتؔ کے کلام میں بدرجہ اعلیٰ موجود ہیں۔ حسرتؔ ان روایات کے محض معتقد نہیں ہیں بلکہ وہ ان روایتوں سے وابستہ رہ کر ایک نئی روایت کی داغ بیل ڈالتے ہیں اور یہی روایت وہ منفرد اور دل موہ لینے والا رنگِ حسرتؔ ہے جسے سب نے اردو غزل کا معیار تسلیم کیا ہے۔ تصانیف: کلیات حسرت موہانی، نکاتِ سخن، قید فرنگ۔

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
یاس	ناامیدی/مایوسی	بے دلی	عدم اطمینان	آستاں	چوکھٹ، دروازہ، دہلیز

حوالہ شعر: یہ شعر نصاب میں شامل حسرت موہانی کی غزل سے لیا گیا ہے۔

غزل

شعر ۱: اپنا سا شوق اوروں میں لائیں کہاں سے ہم ‌ ‌ ‌ گھبرا گئے ہیں بے دلی ہم رہاں سے ہم

بنیادی خیال: محبوب کا مزاج ہم سے اُلٹ ہے۔

تشریح: اس شعر میں حسرت موہانی محبوب کی بیزاری کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہم جس لگن اور جذبے اور شوق سے اپنے عشق کا اظہار کرتے ہیں، ہمارا محبوب اُسی قدر بے دلی اور عدم توجہ کا مظاہرہ کرتا ہے۔ ہماری خواہش تو یہ ہوتی ہے کہ ہمارے محبوب کی طرف سے بھی اسی وارفتگی کا مظاہرہ ہو۔ لیکن اُس کے اس سرد رویے نے ہمیں پریشان کر کے رکھ دیا ہے اور آخرکار ہم نے اپنے دل کو یہ کہہ کہ سمجھا لیا ہے کہ سب ہماری طرح نہیں ہو سکتے۔

شعر ۲: معلوم سب ہے پوچھتے ہو پھر بھی مدعا ‌ ‌ ‌ اب تم سے دل کی بات کہیں کیا زباں سے ہم

بنیادی خیال: تمھیں تو ہمارے دل کی بات معلوم ہونا چاہیے۔

تشریح: اس شعر میں حسرت موہانی محبوب کی بے نیازی کا شکوہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اے میرے محبوب جب تُو میرے تمام احوال

For more notes & academic material visit our Website or install our Mobile App
Website: www.downloadclassnotes.com Mobile App: bit.ly/DCNApp

سے واقف ہے تو پھر میری کیفیت، میری زبان سے کیوں سننا چاہتا ہے۔ تو سب کچھ جانتے ہوئے انجان بن کر دکھاتا ہے۔ اس شعر میں تجاہل عارفانہ (جان بوجھ کر انجان بننا) کا استعمال کیا گیا ہے۔

شعر ۳: مایوس بھی تو کرتے نہیں ہم تم زراہِ ناز — تنگ آ گئے ہیں کش مکشِ امتحاں سے ہم

بنیادی خیال: محبوب صاف جواب نہیں دیتا۔

تشریح: اس شعر میں حسرت موہانی اپنے محبوب سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ نہ تم ہماری بات مانتے ہو، اور نہ ہم سے انکار کرتے ہو۔ غرض یہ کہ تم نے ہمیں ایک بے یقینی کی کیفیت میں مبتلا کر رکھا ہے۔ ممکن ہے تمھارے نزدیک یہ تمھاری ادا ہو، لیکن اس صورت حال نے ہمیں ایک امتحان میں مبتلا کر دیا ہے جواب ہماری برداشت سے باہر ہے۔

شعر ۴: ہے انتہائے یاس بھی اک ابتدائے شوق — پھر آ گئے وہیں پہ، چلے تھے جہاں سے ہم

بنیادی خیال: آدمی جہاں سے چلتا ہے وہیں آ جاتا ہے۔

تشریح: اس شعر میں حسرت موہانی فرماتے ہیں کہ انسانی زندگی آرزو، خواہش اور شوق سے عبارت ہے۔ انسان ہر لحہ کسی نہ کسی خواہش کی تکمیل کا پیچھا کرتا رہتا ہے اور جب اُس خواہش کا حصول اپنی انتہا کو پہنچ جاتا ہے تو وہیں سے پھر ایک نئی خواہش کا آغاز ہوتا ہے۔ گویا کہ انسان جہاں سے چلتا ہے وہیں پہنچ جاتا ہے اور یوں زندگی کا پہیہ رواں دواں رہتا ہے۔

شعر ۵: حسرتؔ پھر اور جا کے کریں کس کی بندگی — اچھا، جو سر اُٹھائیں بھی اس آستاں سے ہم

بنیادی خیال: اے خدا تیرے سوا اور کوئی لائق بندگی نہیں۔

تشریح: اس شعر میں حسرت موہانی خدائے واحد کی بندگی کے طلب گار ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ جب کائنات میں کوئی اور تیرے علاوہ لائق بندگی ہے ہی نہیں تو پھر ہمارے لیے یہی بہتر ہے کہ تیری ہی دہلیز پر سر جھکائے رہیں۔ کیوں کہ اگر یہ در بھی جاتا رہا تو ہم دربدر ہو جائیں گے۔

مشق

سوال نمبر ۱: درج ذیل اشعار کی تشریح کیجیے:

(۱) معلوم سب ہے پوچھتے ہو پھر بھی مدعا — اب تم سے دل کی بات کہیں کیا زباں سے ہم

(۲) ہے انتہائے یاس بھی اک ابتدائے شوق — پھر آ گئے وہیں پہ چلے تھے جہاں سے ہم

(جواب) ان اشعار کی تشریح درج بالا غزل کے شعر ۲ اور شعر ۴ ملاحظہ ہوں۔

سوال نمبر ۲: درج ذیل الفاظ و تراکیب کا مفہوم واضح کیجیے۔

الفاظ و تراکیب	معنی	الفاظ و تراکیب	معنی	الفاظ و تراکیب	معنی
یاس	مایوسی / ناامیدی	بے دلی ہم رہاں	ساتھی اور ہمراہی کی بے دلی	کش مکش	پریشانی / اضطراب

Visit www.downloadclassnotes.com for Notes, Old Papers, Home Tutors, Jobs, IT Courses & more.

زراہِ ناز	ادا کے ساتھ/شان و شوکت کے ساتھ	سر اُٹھانا	بغاوت/علاحدہ ہونا	تنگ آنا	عاجز آنا/پریشان ہونا

سوال نمبر ۳: درست جواب پر (✓) کا نشان لگایئے:

(۱) لفظ "سر اٹھانا" ہے:

(الف) فعل (ب) محاورہ ✓ (ج) روزمرہ (د) مصدر

(۲) "ہے انتہائے یاس بھی ایک ابتدائے شوق" اس مصرع میں صنعت ہے:

(الف) مبالغہ (ب) تضاد ✓ (ج) تشبیہ (د) تلمیح

(۳) "حسرت پھر اور جا کے کریں کس کی بندگی" یہ مصرع ہے:

(الف) مطلع کا (ب) مقطعے کا ✓ (ج) شعر کا (د) رباعی کا

(۵) "اب اس دل کی بات کہیں کیا زباں سے ہم" اس مصرع میں رمز وقف ہے:

(الف) سکتہ (ب) ختمہ (ج) ندائیہ ✓ (د) استفہامیہ

(۵) اس غزل کے مقطعے میں لفظ "اور" سے مراد ہے:

(الف) مزید (ب) اس کے علاوہ ✓ (ج) طرف (د) دوسرا

www.downloadclassnotes.com

For more notes & academic material visit our Website or install our Mobile App
Website: www.downloadclassnotes.com Mobile App: bit.ly/DCNApp

منیر نیازی (منیر احمد)

پیدائش ۱۹۲۷ء ۔ وفات ۲۰۰۶ء

تعارف شاعر: منیر نیازی مشرقی پنجاب ہوشیار پور میں پیدا ہوئے۔ وہ آزادی کے بعد لاہور آگئے۔ ان کا شمار اردو اور پنجابی کے اہم شاعروں میں ہوتا ہے۔ لاہور منتقلی کے بعد فلمی گانے بھی لکھے۔ انھوں نے "سات رنگ" کے نام سے ایک ادبی رسالہ بھی نکالا۔ منیر نیازی کا شعری سفر ۱۹۴۸ء سے ۲۰۰۶ء تک جاری رہا۔ اس دوران ان کے گیارہ شعری مجموعے منظر عام پر آئے۔ منیر نیازی کی شاعری موتی کی مانند ہے، جنھوں نے شاعری کو ایک نیا تخلیقی مزاج عطا کیا۔ منیر نیازی کی ابتدائی شاعری درد وغم سے لبریز ہے، جو انسانی المیوں کے اجتماعی شعور کی نمائندگی کرتی ہے۔ منیر نیازی کی شاعری میں جو کرب نظر آتا ہے اُس کا تعلق اس اذیت اور انتشار سے ہے جو ۱۹۴۷ء کے بعد کے تہذیبی زوال کی وجہ سے رونما ہوا۔ منیر نیازی کی غزل میں حیرت اور مستی کی ملی جلی کیفیات نظر آتی ہیں۔ ان کے ہاں ماضی کے گمشدہ منظر اور رشتوں کے انحراف کا دکھ نمایاں ہے۔

تصانیف: کلیات منیر، ماہ منیر، پہلی بات آخری تھی، جنگل میں دھنک، بے وفا شہر، تیز ہوا اور تنہا پھول، دشمنوں کے درمیان شام، چھ رنگین دروازے۔

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
اُمت	کسی پیغمبر پر ایمان لانے والی قوم	صَرصَر	تیز ہوا	زرفشانی	خوشی/مسرت

حوالہ شعر: یہ شعر نصاب میں شامل منیر نیازی کی غزل سے لیا گیا ہے۔

غزل

شعر ۱: سُن بستیوں کا حال جو حد سے گزر گئیں ان اُمتوں کا ذکر جو رستوں میں مرگئیں

بنیادی خیال: جو حد سے گزرتا ہے مارا جاتا ہے۔

تشریح: اس شعر میں منیر نیازی کہتے ہیں کہ یہ دنیا جائے عبرت ہے اور اس میں زندگی گزارنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ انسان اپنی حد میں رہے ورنہ تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ جو قومیں اپنی حد سے آگے نکلیں اُنھیں اُسی خالق و مالک نے تباہ و برباد کر دیا جو اُن کا پالنے والا تھا۔ لہٰذا ہمیں چاہیے کہ اُن قوموں اور اُمتوں کے انجام سے عبرت حاصل کریں۔

شعر ۲: صَرصَر کی زد میں آئے ہوئے بام و در کو دیکھ کر کیسی ہوائیں! کیسا نگر! سرد کر گئیں!

بنیادی خیال: دوسروں کی بربادی کو دیکھ کر سبق حاصل کرو۔

تشریح: اے انسان یاد رکھ کہ ہر عروج کو زوال ہے۔ ہر بہار پر خزاں کا حملہ لازمی ہے۔ تو اگر اس دنیا پر غور کی نگاہ ڈالے تو بہت آسانی

For more notes & academic material visit our Website or install our Mobile App
Website: www.downloadclassnotes.com Mobile App: bit.ly/DCNApp

سے یہ بات سمجھ میں آجائے گی کہ کیسے کیسے ہرے بھرے باغ خزاں کی نظر ہو گئے۔ اور کیسی کیسی عمارتوں کو طوفان اُڑا کر لے گیا۔ لیکن ان سب باتوں میں عبرت کا سبق یہی ہے کہ ہر عروج کو زوال ہے۔

شعر ۳: کیا باب تھے یہاں جو صدا سے نہیں کھلے — کیسی دعائیں تھیں جو یہاں بے اثر گئیں!

بنیادی خیال: ہر بار دعا قبول نہیں ہوتی۔

تشریح: اس شعر میں منیر نیازی لکھتے ہیں کہ ہمارا کام دعا کے لیے ہاتھ پھیلانا، اُس کا قبول کرنا یا نہ کرنا کسی اور کا اختیار ہے۔ زندگی میں جہاں ہماری بے شمار خواہشات پوری ہوئیں، وہیں ہماری بہت سی دعائیں بالکل اس طرح بے اثر ہو گئیں جیسے بار بار کی دستک کے باوجود کوئی دروازہ نہ کھلے۔

شعر ۴: تنہا اُجاڑ برجوں میں پھرتا ہے تو منیرؔ — وہ زرفشانیاں ترے رخ کی کدھر گئیں!

بنیادی خیال: اب منیر کا حال پہلے جیسا نہیں ہے۔

تشریح: اس شعر میں منیر نیازی لکھتے ہیں کہ ایک زمانہ وہ تھا کہ جب منیر لفظ و خیال کی دولت سے مالا مال تھا، شاعری اُس کے آگے ہاتھ باندھے کھڑی رہتی تھی۔ اور اُس کی کسی صفت کی بدولت اُس کے اطراف لوگوں کا جمگھٹا لگا رہتا تھا، لیکن آج وہ سب کچھ خواب و خیال ہو گیا ہے اور یہی منیر تنہائی کے اندھیروں میں گم ہو چکا ہے۔

احمد فراز (سید احمد شاہ)

پیدائش ۱۹۳۱ء ۔وفات ۲۰۰۸ء

تعارف شاعر: احمد فراز نوشیرہ کوہاٹ میں پیدا ہوئے۔احمد فراز کے والد سید شاہ محمد برق معروف معلم اور فارسی کے مشہور شاعر تھے۔ابتدائی تعلیم اسلامیہ ہائی اسکول کوہاٹ سے، بی۔اے اور ایم۔اے، اردو، فارسی پشاور یونی ورسٹی سے کیا۔ پشاور یونی ورسٹی میں اردو کے استاد مقرر ہوئے۔ریڈیو پاکستان اور دیگر سرکاری عہدوں پر بھی خدمات انجام دیتے رہے۔احمد فراز کے نزدیک شاعری صرف الفاظ کا مجموعہ نہیں بلکہ وہ احساسات کا مجموعہ ہے جو شعر کی زبان بن کر احساس پر چھا جاتا ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ جب تک شعر میں احساس پیدا کرنے کی قوت نہ ہو تب تک وہ شعر نہ ہی پیغام بن سکتا ہے اور نہ ہی بیدار کر سکتا ہے۔ پیغام کا منصب ہی آگاہ کرنا ہے، بیدار کرنا اور حق پہ قائم رہنا اور اگر شعر ان تمام خصوصیات سے خالی ہو تو پیغام نہیں بن سکتا۔احمد فراز کی شاعری نے انسان میں وہ احساس پیدا کیا کہ ہر انسان اپنی جگہ اور اپنا مقام پیدا کر سکتا ہے اور یہ احساس مردہ دلوں میں زندگی کی توانائی پیدا کرتا ہے اور دنیا کی حقیقت سے آگاہ ہو جاتا ہے۔احمد فراز کے نزدیک اس بات کا احساس ضروری ہے کہ جب خلق خدا ظلم اور استحصال کے خلاف نبرد آزما ہو اور لوگ اپنے حقوق کی بازیابی کے لیے اپنی قوت کا اظہار کر رہے ہوں تو وہاں اس موقع پر لکھنے والوں پر کیا ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔

تصانیف: جاناں جاناں، تنہا تنہا، درد آشوب، شب خون، خواب گل پریشاں ہے، میرے خواب ریزہ ریزہ، غزل بہانہ کروں۔

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
مراسم	تعلقات	تکلف	بناوٹ، ظاہرداری	اخلاص	نیک نیتی، خلوص
نادم	شرمندہ	دام	جال/پھندا		

حوالہ شعر: یہ شعر نصاب میں شامل احمد فراز کی غزل سے لیا گیا ہے۔

غزل

شعر۱: دوست بن کر بھی نہیں ساتھ نبھانے والا ۔۔۔ وہی انداز ہے ظالم کا زمانے والا

بنیادی خیال: محبوب بھی زمانے کی طرح ظالم ہو گیا ہے۔

تشریح: اس شعر میں احمد فراز اپنے محبوب کی عدم توجہی کا شکوہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ میرا محبوب، میرا ساتھ نبھانے کو تیار نہیں اور دکھ کی بات یہ ہے کہ اُس نے بھی زمانے کے ڈھنگ سیکھ لیے ہیں، لہٰذا مجھے اُس میں اور دوسروں میں کوئی فرق دکھائی نہیں دیتا۔

شعر۲: اب اسے لوگ سمجھتے ہیں گرفتار مرا ۔۔۔ سخت نادم ہے مجھے دام میں لانے والا

بنیادی خیال: وہ مجھے اپنے عشق میں گرفتار کر کے بہت نادم ہے۔

تشریح: یہ شعر احمد فراز کی مضمون آفرینی کا خوب صورت نمونہ ہے۔وہ لکھتے ہیں کہ میرے محبوب نے مجھے اپنے عشق میں گرفتار تو کر لیا ہے، لیکن دنیا والوں کے سامنے یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ مجھ میں کچھ ایسی بات ضرور تھی کہ محبوب کے لیے لائق توجہ بن گئی اور جب اُس

For more notes & academic material visit our Website or install our Mobile App
Website: www.downloadclassnotes.com Mobile App: bit.ly/DCNApp

کی سمجھ میں یہ بات آئی ہے وہ اپنے کیے پر سخت شرمندہ ہے۔

شعر۳: کیا کہیں کتنے مراسم تھے ہمارے، اس سے ‌ ‌ ‌ وہ جو اک شخص ہے منہ پھیر کے جانے والا

بنیادی خیال: روٹھا ہوا محبوب کبھی ہمیں بہت عزیز تھا۔

تشریح: اس شعر میں احمد فراز اپنے محبوب کی بے مروتی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ہم نے تو اپنی پوری زندگی اُس کے نام کردی لیکن اُس نے ہم سے منہ پھیرنے میں ایک لمحہ نہیں لگایا۔ اُس نے ایک بار بھی نہیں سوچا کہ اُس سے ہمارا کس کس انداز کا تعلق تھا۔

شعر۴: میں نے دیکھا ہے بہاروں میں چمن کو جلتے ‌ ‌ ‌ ہے کوئی خواب کی تعبیر بتانے والا؟

بنیادی خیال: مجھے اپنے خواب کی تعبیر بتانے والا چاہیے۔

تشریح: اس شعر میں احمد فراز کہتے ہیں کہ میں نے بھری بہار میں ایک چمن کو جلتے ہوئے دیکھا ہے، اور اس خواب نے مجھے پریشانی میں مبتلا کر دیا ہے۔ میں اس آگ کے پس منظر میں اپنی خوشیوں کو جلتا ہوا دیکھ رہا ہوں اور مجھے اس بات کی پریشانی ہے کہ یہ خواب سچ نہ ہو جائے اور اسی لیے میں کسی ایسے شخص کو ڈھونڈ رہا ہوں جو مجھے اس خواب کی تعبیر بتا دے۔

شعر۵: تم تکلف کو بھی اخلاص سمجھتے ہو فرازؔ ‌ ‌ ‌ دوست ہوتا نہیں ہر ہاتھ ملانے والا

بنیادی خیال: صرف ہاتھ ملانے سے دوستی کا اظہار نہیں ہوتا۔

تشریح: اس شعر میں احمد فراز معاشرے کہ عامیانہ رویے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ روز ملنا، روز ایک دوسرے سے ہاتھ ملانا یہ دنیا داری ہے، تکلف کا تقاضا ہے، دوستی ہرگز نہیں۔ یہ تمھاری سادگی ہے کہ تم ہر ہاتھ ملانے والے کو اپنا دوست سمجھ لیتے ہو۔ تمھیں چاہیے کہ حقیقی دوست کو پہچاننے کی خوبی پیدا کرو۔

مشق

سوال نمبر۱: درج ذیل اشعار کی تشریح کیجیے:

(۱) سن بستیوں کا حال جو حد سے گزر گئیں ‌ ‌ ‌ ان امتوں کا ذکر جو رستوں میں مر گئیں

(۲) کیا باب تھے یہاں جو صدا سے نہیں کھلے ‌ ‌ ‌ کیسی دعائیں تھیں جو یہاں بے اثر ہو گئیں

(۳) میں نے دیکھا ہے بہاروں میں چمن کو جلتے ‌ ‌ ‌ ہے کوئی خواب کی تعبیر بتانے والا؟

(۴) تم تکلف کو بھی اخلاص سمجھتے ہو فرازؔ ‌ ‌ ‌ دوست ہوتا نہیں ہر ہاتھ ملانے والا

(جواب) (الف) پہلے دو شعر منیر نیازی کی غزل سے لیے گئے ہیں۔ جو درج بالا غزل کے شعر ایک اور شعر ۳ کی تشریح اوپر گزر چکی ہے۔

For more notes & academic material visit our Website or install our Mobile App
Website: www.downloadclassnotes.com Mobile App: bit.ly/DCNApp

(ب) آخری دو شعر احمد فراز کی غزل سے لیے گئے ہیں۔ جو درج بالا غزل کے شعر ۴ اور شعر ۵ کی تشریح اوپر گزر چکی ہے۔

سوال نمبر ۲: درج ذیل الفاظ ومحاورات کے مفہوم کی وضاحت کیجیے:

الفاظ وتراکیب	معنی	الفاظ وتراکیب	معنی	الفاظ وتراکیب	معنی
برج	مینار/گنبد/اونچی عمارت	زد میں آنا	دائرہ اختیار میں آنا	زرفشانی	خوشی/مسرت
دام میں لانا	پھانس لینا/قابو میں کرنا	منھ پھیر کے جانا	منہ موڑ کے جانا/ناراض ہونا		

سوال نمبر ۳: درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

(۱) صَرصَر ایک ہوا ہے جو چلتی ہے:
(الف) جنگل میں (ب) سمندر پر (ج) صحراؤں میں ✓ (د) دریاؤں میں

(۲) لفظ "بہار اور چمن" ایک دوسرے کے ہیں:
(الف) مترادف (ب) مخالف (ج) متبادل (د) رعایتِ لفظی ✓

(۳) تکلف، اخلاص، دوست۔ ان لفظوں کے لیے یہ صنعت ہوتی ہے:
(الف) تضاد (ب) رعایتِ لفظی ✓ (ج) مبالغہ (د) تلمیح

(۴) منیر نیازی کی غزل میں قافیے کے طور پر استعمال ہوا ہے:
(الف) گئیں (ب) منیر (ج) کر ✓ (د) صَرصَر

(۵) منیر نیازی کی غزل کے مطلع میں لفظ استعمال ہوا ہے:
(الف) ذکر ✓ (ب) صَرصَر (ج) نگر (د) زرہ

For more notes & academic material visit our Website or install our Mobile App
Website: www.downloadclassnotes.com Mobile App: bit.ly/DCNApp

قابل اجمیری

پیدائش ۱۹۳۱ء ۔وفات ۱۹۶۲ء

تعارف شاعر: قابل تخلص اور عبدالرحیم نام تھا۔ قصبہ چرلی، ضلع اجمیر میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم دارالعلوم معینیہ عثمانیہ اجمیر شریف سے علوم شرقیہ کی تعلیم حاصل کی۔ بعد میں صحافت کو ذریعہ معاش بنایا۔ کچھ عرصہ عرائض نویسی (درخواستیں لکھنے کا پیشہ) اختیار کیا۔ جنوری ۱۹۴۸ء میں حیدرآباد سندھ میں مستقل سکونت اختیار کی۔ زمانہ تعلیم ہی سے شعر و شاعری کر رہے تھے۔ وہ ارمان اجمیری اور عبدالباری معنی سے مشورہ سخن بھی کیا کرتے تھے۔ ۱۹۴۵ء سے قابل کی شاعری کا شعوری دور شروع ہوتا ہے۔ وہ ادب برائے زندگی پر یقین رکھتے ہیں۔ وہ شاعری کے ذریعے وعظ و پند کے قائل نہیں۔ قابل کے اشعار، ان کے مزاج اور ان کی طرز فکر کے آئینہ دار ہیں۔ ان کے کلام سے ان کی انفرادیت نمایاں ہے۔ خیالات اور جذبات کے ساتھ ساتھ ان کا اسلوب بیان بھی شگفتہ و پاکیزہ شعریت اور تغزل کا حامل ہے۔

تصانیف: ''دیدۂ بیدار''، ''خون رگ جاں'' اور ''کلیات قابل''۔

حوالہ شعر: یہ شعر نصاب میں شامل قابل اجمیری کی غزل سے لیا گیا ہے۔

غزل

شعر ۱: عشرتِ زیست کہاں غم کے ہنر ہونے تک — پھول بھی ہنس نہ سکے چاک جگر ہونے تک

بنیادی خیال: غم سے لطف اندوز ہونے کو بھی ایک زمانہ چاہیے۔

تشریح: اس شعر میں لکھتے ہیں کہ غم کی خوبی یہ ہے کہ آدمی کو اگر اُسے برداشت کرنے اور اُس سے لطف لینے کا ہنر آ جائے تو زندگی خوشگوار ہو جاتی ہے۔ لیکن ہر بار ایسا نہیں ہوتا۔ ہمیشہ آپ کے زخموں پر مسکرانے والے پھول آپ کو میسر نہیں ہوتے۔

شعر ۲: رات کٹ جائے گی چھا جائے گا زنداں پہ سکوت — شورِ زنجیر ہے دیوار میں در ہونے تک

بنیادی خیال: غلامی کا احساس آزادی حاصل ہونے تک رہنا چاہیے۔

تشریح: اس شعر میں قابل اجمیری لکھتے ہیں کہ جب تک قید خانے سے زنجیروں کی آواز برآمد ہو رہی ہے اُس وقت تک اس بات کا امکان موجود ہے کہ قید میں رہنے والے اپنی اسیری سے آزادی کی جدوجہد میں مصروف ہیں۔ وہ قید خانے کی دیوار میں در بنانے کی کوشش کر رہے ہیں تاکہ آزادی کا روشن چہرہ دیکھ سکیں۔ اور جس دن اُنھیں اپنے مقصد میں کامیابی مل گئی، قید خانے کی دیوار گر جائے گی اور زنجیروں کے کھنکنے کی آواز آنا بند ہو جائے گی۔

شعر ۳: ظلمت و نور میں تفریق ابھی مشکل ہے — رات، سو رنگ بدلتی ہے سَحر ہونے تک

بنیادی خیال: منزل تک پہنچنے کے لیے سیکڑوں مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔

تشریح: اس شعر میں قابل اجمیری لکھتے ہیں کہ رات غلامی کی ہو یا محبوب سے جدائی کی۔ غربت کی ہو یا اسیری کی جب تک یہ رات صبح

For more notes & academic material visit our Website or install our Mobile App
Website: www.downloadclassnotes.com Mobile App: bit.ly/DCNApp

کے اُجالے میں تبدیل نہیں ہوتی مختلف رنگ بدلتی رہتی ہے۔ اسی لیے بہت بار ایسا ہوتا ہے کہ اندھیرے اور اُجالے میں فرق کرنا مشکل ہوجاتا ہے۔ ایسے ہی ایک وقت کو صبح کاذب بھی کہتے ہیں کہ جب اندھیرا ہوتا بھی ہے اور نہیں بھی۔ اُجالا دکھائی بھی دیتا ہے اور اُوجھل بھی ہوجاتا ہے یعنی پریشانی کا اندھیرا مختلف شکلیں اختیار کرتا ہوا، اطمینان کی صبح کے اُجالے میں تبدیل ہو ہی جاتا ہے۔

شعر ۴: سورج اُبھرے گا تو چھٹ جائیں گے راہوں کے غبار منزلیں گم ہیں مگر گرمِ سفر ہونے تک

بنیادی خیال: منزل کی خوشی انھیں حاصل ہوتی ہے جو سفر کی مشکلات جھیلتے ہیں۔

تشریح: اس شعر میں قابل اجمیری کہتے ہیں کہ فی الحال ہمارے راستے میں مشکلوں کے غبار نے اندھیرے کی دیوار کھڑی کردی ہے۔ اور منزل کا نشان ہماری نگاہ سے اوجھل ہوگیا ہے۔ لیکن وہ وقت دور نہیں کہ جب جدوجہد اور یقین کا سورج اپنی آب وتاب سے روشن ہوگا اور راستے کے غبار کی چادر چاک ہوجائے گی اور ہم پورے جوش اور ولولے کے ساتھ اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہوجائیں گے۔

شعر ۵: منزلِ شب میں یہی رختِ سفر ہے قابلؔ درد کی خیر مناتا ہوں سحر ہونے تک

بنیادی خیال: میں غموں کے سہارے زندگی بسر کررہا ہوں۔

تشریح: اس شعر میں قابل اجمیری کہتے ہیں کہ میں زندگی کے سفر میں بے یقینی کا مسافر ہوں۔ جس کے پاس سامانِ سفر کے نام پر فقط محبوب کا دیا ہوا درد ہے جس کے سہارے میں زندگی کی رہ گزر پر آگے بڑھتا چلا جارہا ہوں۔ اور خدا سے دعا گو رہتا ہوں کہ یہ درد کی کیفیت ہمیشہ میری منزل کی تحریک بنی رہے۔

مشق

سوال نمبر ۱: درج ذیل اشعار کی تشریح کیجیے:

(۱) ظلمت و نور میں تفریق ابھی مشکل ہے رات سو رنگ بدلتی ہے سحر ہونے تک

(۲) عشرتِ زیست کہاں غم کے ہنر ہونے تک پھول بھی ہنس نہ سکے چاک جگر ہونے تک

(جواب) شعر ۳۔ اور ایک کی تشریح ملاحظہ فرمائیں۔

سوال نمبر ۲: درج ذیل الفاظ ومحاورات کا مفہوم واضح کیجیے:

الفاظ ومحاورات	معنی	الفاظ ومحاورات	معنی	الفاظ ومحاورات	معنی
رختِ سفر	سفر کا سامان/اسباب	عشرتِ زیست	عیش والی زندگی	رات کٹ جانا	مشکلات ختم ہوجانا
چاک جگر ہونا	مشکلات کا سامنا کرنا	گرم سفر ہونا	سفر کو روانہ ہونا/سفر کرنا		

For more notes & academic material visit our Website or install our Mobile App
Website: www.downloadclassnotes.com Mobile App: bit.ly/DCNApp

سوال نمبر ۳: درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

(۱) "رات کٹ جانا، سکوت، شورِ زنجیر، دیوار، در، زندان" ان لفظوں میں صنعت پائی جاتی ہے:

(الف) صنعتِ تضاد (ب) **مراعات النظیر** ✓ (ج) تعلیل (د) مبالغہ

(۲) "عشرتِ زیست" سے مراد ہے:

(الف) غم زدہ حیات (ب) **عیش والی حیات** ✓ (ج) ابدی حیات (د) آبِ حیات

(۳) شاعر نے غزل میں تعریف کی ہے:

(الف) **ظلمت و نور سے** ✓ (ب) رنگ و بُو سے (ج) نورِ سحر سے (د) چاند و سورج سے

(۴) غزل کے آخر میں ہوتا ہے:

(الف) مطلع (ب) **مقطع** ✓ (ج) تخلص (د) ردیف

(۵) کٹ جائے گی:

(الف) صبح (ب) شام (ج) **رات** ✓ (د) سحر

For more notes & academic material visit our Website or install our Mobile App
Website: www.downloadclassnotes.com Mobile App: bit.ly/DCNApp

پیامِ لطیفؒ (وائی)

شاہ عبداللطیف بھٹائی

پیدائش ۱۶۸۹ء ۔وفات ۱۷۵۲ء

تعارف شاعر: شاہ عبداللطیف بھٹائی برصغیر کے عظیم صوفی شاعر تھے۔آپ نے اپنی شاعری کے ذریعے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیغام کو عام لوگوں تک پہنچایا۔شاہ عبداللطیف بھٹائی کی ولادت ضلع مٹیاری کی تحصیل ہالا میں ہوئی۔آپ کے والد سید حبیب شاہ ہالا حویلی میں رہتے تھے۔اوران کا شماراس علاقے کی برگزیدہ ہستیوں میں ہوتا تھا۔شاہ عبداللطیف بھٹائی کے آباؤ اجداد سادات کے ایک اہم خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔آپ کا سلسلۂ نسب علی المرتضیٰ اور رسول خدا حضرت محمد مصطفی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچتا ہے۔صوفیانہ تخیل شاہ کے کلام کی خصوصیات ہیں،ان کی شاعری میں سادگی اور بے لوث خلوص شامل ہے۔شاہ عبداللطیف نے بھٹ شاہ کے ٹیلوں کے نزدیک نہر کراڑ کے کنارے بیٹھ کر اپنا صوفیانہ کلام مرتب کیا،جو بعد میں دنیا بھر میں ''شاہ جو رسالو'' کے نام سے معروف ہوا۔شاہ جو رسالو کا سندھی سے اردو ترجمہ،معروف شاعر شیخ ایاز نے کیا،اوراس کام میں ان کی معاونت پروفیسر آفاق صدیقی نے کی۔

اردو ترجمہ: پروفیسر آفاق صدیقی

پیدائش ۱۹۲۸ء ۔وفات ۲۰۱۲ء

مترجم کا تعارف: پروفیسر آفاق صدیقی فرخ آباد، اتر پردیش میں پیدا ہوئے۔علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔آزادی کے بعد وہ سکھر میں آباد ہوئے اور یہیں درس وتدریس کے شعبے سے وابستہ ہو گئے۔آفاق صدیقی کی مادری زبان اردو تھی لیکن انہیں فارسی، ہندی اور سندھی زبانوں پر بھی اچھی خاصی دسترس تھی۔شاید اسی بنا پر انہیں تحقیق اور ترجمے سے بھی رغبت ہو گئی تھی۔ان کے تحقیقی کام اور تراجم کو اردو اور سندھی ادب کے حوالے سے نہایت اہم تصور کیا جاتا ہے۔انھوں نے شاہ عبداللطیف بھٹائی، سچل سرمست اور شیخ ایاز کی شاعری کو بھی اردو میں منتقل کیا۔۱۹۵۱ء میں انھوں نے رسالہ "کوہ کن" نکالا۔ ۱۹۵۳ء میں سندھی ادبی سرکل قائم کیا۔آفاق صدیقی نے مسلم ایجوکیشنل سوسائٹی کے نام سے ایک تنظیم بھی قائم کی۔تدریسی فرائض سے رخصت کے بعد وہ کراچی منتقل ہو گئے اور اردو سندھی ادبی فاؤنڈیشن کے نام سے ایک تنظیم قائم کی۔آفاق صدیقی کی تصانیف میں پاکستان ہمارا ہے، کوثر وتسنیم، قلب سراپا، ریزہ جاں، تاثرات، عکس لطیف، شاعر حق نوا، پیام لطیف، اقوال سچل، بساط ادب، بابائے اردو وادی مہران میں، ادب جھروکے، گلڈ کہانی، ادب گوشے، ریگزار کے موتی، مارو، کے دیس میں اور جدید سندھی ادب کے اردو تراجم شامل ہیں۔ان کی خود نوشت سوانح عمری صبح کرنا شام کا کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔

لَو لگانا	امید لگانا/توجہ رکھنا	خستہ حالی	بدحالی/خراب حالت

For more notes & academic material visit our Website or install our Mobile App
Website: www.downloadclassnotes.com Mobile App: bit.ly/DCNApp

حوالہ نظم: شاہ لطیف کی یہ نظم پیامِ لطیف (وائی) ہماری درسی کتاب سے لی گئی ہے۔ اس کا اردو ترجمہ پروفیسر آفاق صدیقی نے کیا ہے۔

بند ۱: اوّل نام اللہ کا اعلیٰ اور علیم — قادر اپنی قدرت سے، قائم اور قدیم
والی، واحد، وحدہ، رازق، رب، رحیم — بڑھ کر ہے، حمد سے اس کی حمد حکیم
ہے سارے سنسار کا مالک وہی کریم

تشریح: شاہ عبداللطیف بھٹائی اللہ تعالیٰ کی صفات بیان کرتے ہوئے کہہ رہے ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی اعلیٰ اور علیم ہے۔ وہ قدرت والا ہے اور ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ اللہ واحد ہے، رزاق ہے ۔ وہ رب جو سب پر رحم کرتا ہے، رحمتیں برساتا ہے۔ اللہ عزوجل کی حمد وثنا سب سے بڑھ کر ہے۔ وہ ساری کائنات کا مالک اور کرم کرنے والا ہے۔

بند ۲: اگر اللہ پر رکھتے ہو ایمان — رسول پاک سے بھی لو لگاؤ
سمائے جس میں دونوں ہی کا سودا — کسی در پر نہ اس سر کو جھکاؤ

تشریح: شاہ سائیں فرماتے ہیں کہ اگر ہمیں اللہ پر ایمان ہے تو یقیناً رسول ﷺ کو آخری نبی ماننا اور ان سے دنیا میں سب سے زیادہ محبت کرنا بھی ہمارے ایمان کا حصہ ہے۔ جب مسلمان کے دل میں اللہ اور رسول ﷺ سے محبت کا جنون موجود ہو تو وہ کسی اور کے سامنے سر جھکانے سے بہتر اپنی گردن کٹوانے پر راضی ہوتا ہے۔ کیوں کہ جب اللہ کے سامنے سر جھکا دیا تو پھر دنیا کی تمام طاقتوں کی کوئی وقعت نہیں ہے۔

بند ۳: جنھوں نے دل سے اُس یکتا کو مانا — محمد ﷺ کو بہ صد اِخلاص جانا
کبھی بھٹکیں نہ سیدھی راہ سے وہ — جنھیں حاصل ہوا سچا ٹھکانا

تشریح: جو بھی شخص توحید پر ہے اور اللہ کی ذات کو واحد مانتا ہے تو وہ محمد ﷺ کو آخری نبی مانتا ہے اور اللہ رب العزت کی ذات کے بعد آپ ﷺ کی ذات سے سب سے زیادہ محبت کرتا ہے۔ اور یقیناً ایسے لوگ کبھی نہیں بھٹکیں گے اور سیدھی راہ اختیار کریں گے۔ اس طرح احکام خداوندی کے راستے پر چلتے ہوئے نیکی وفلاح کا راستہ اختیار کر کے اپنی آخرت کا سامان پیدا کرلیں گے۔

بند ۴: جس کی فطرت میں ہو تن آسانی — جس کی آرام سے گزرتی ہے
کیا خبر اس کو، خستہ حالی پر — بے کسی کتنے وار کرتی ہے

تشریح: شاعر کہہ رہے ہیں کہ جن لوگوں نے کبھی مشکلات کا سامنا نہیں کیا تو انھیں کیا پتا کہ بدحالی اور لاچاری کیا چیز ہوتی ہے اور یہ انسان کو کیسی کیسی مشکلات میں مبتلا کردیتی ہے۔ وہ تو بس بے خبری کے عالم میں ہیں آسائش اور مراعات نے انھیں آرام طلب بنادیا ہے۔ اگر وہ ان لوگوں کی خبر گیری کریں تو فلاح کا راستہ پا جائیں۔

مشق

سوال نمبر۱: درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

(۱) **اس نظم میں شاعر نے اللہ پاک کی کیا کیا صفات بیان کی ہیں؟**

(جواب) شاعر نے اللہ پاک کی صفات اعلیٰ، علیم، قادر، قائم، قدیم، والی، واحد، رزاق، رب، رحیم، حکیم کے نام سے بیان کی ہیں۔

(۲) **حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحبہٖ وسلم سے "لَو لگانے" سے کیا مراد ہے؟**

(جواب) حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحبہٖ وسلم سے لَو لگانے سے مراد یہ ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ سے بے حد محبت کریں، اُن کی پہنچائی ہوئی تعلیمات پر عمل پیرا ہوں اور انھی کی ذات کو اپنے لیے ذریعہ نجات سمجھیں۔

(۳) **"نفس کی پیروی" سے کیا مراد ہے اور اس سے کیسے بچا جاسکتا ہے؟ تفصیلاً بیان کیجیے۔**

(جواب) خدا کے احکامات سے بے پرواہ ہو کر اپنی خواہشات کی تکمیل میں جُتے رہنا نفس کی پیروی کہلاتا ہے۔ اسلام کا حکم ہے کہ دنیا کے حصول میں اپنے آپ کو ہلاکت میں نہیں ڈالنا چاہیے۔ ہمیں اپنے نفس کو احکامِ الٰہی کی پیروی سے آراستہ کر کے دین و دنیا کی خدمت میں اپنا حصہ ڈالنا چاہیے۔

(۴) **دنیا میں کسے سچا ٹھکانا ملتا ہے؟**

(جواب) دنیا میں سچا ٹھکانا پانے والے صرف وہی لوگ ہیں جنھوں نے توحید کا راستہ اپنایا اور آپ ﷺ کو اپنا آخری نبی مانا، یقیناً وہ فلاح کا راستہ پالیں گے اور اپنی اخروی زندگی میں سرخرو ہوں گے۔

(۵) **آرام پرستی کے کیا کیا نقصانات ہیں؟ واضح کیجیے۔**

(جواب) جو لوگ آسائش اور آرام کے طلب گار رہتے ہیں، انھیں نہیں پتا کہ زندگی کے آلام و مصائب کیا ہوتے ہیں۔ وہ اس بات سے نہیں واقف ہیں کہ کس طرح انسان ان مشکلات کا سامنا کرتا ہے۔ یہ اپنے خول میں بند رہتے ہیں اور جب وقت گزر جاتا ہے تو انھیں احساس ہوتا ہے کہ ہم دنیا کی رنگینیوں میں ایسے گم ہو گئے کہ اب موت کے سفر پر روانگی سے قبل ہمارے حصے میں کچھ بھی نہیں۔ افسوس صد افسوس

سوال نمبر۲: **درج ذیل الفاظ وتراکیب کا مفہوم واضح کیجیے:**

الفاظ وتراکیب	مفہوم	الفاظ وتراکیب	مفہوم	الفاظ وتراکیب	مفہوم
قائم ودائم	ہمیشہ رہنے والا	اخلاص	نیک نیتی/خلوص	تن آسانی	آرام/آسائش
خستہ حالی	بدحالی	پیروی	تقلید/اطاعت	-	-

For more notes & academic material visit our Website or install our Mobile App
Website: www.downloadclassnotes.com Mobile App: bit.ly/DCNApp

سوال نمبر ۳: اس منظوم ترجمے میں سے محاورے تلاش کر کے تحریر کیجیے:

(جواب) ایمان رکھنا، لو لگانا، سودا سمانا، سر جھکانا، آرام سے گزرنا، وار کرنا

سوال نمبر ۴: درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

(۱) "اوّل" نام ہے:

(الف) حدیث کا (ب) قرآن کا (ج) اللہ کا ✓ (د) نماز کا

(۲) بھٹکے ہوئے کو دکھانا چاہیے:

(الف) سیدھا رستہ ✓ (ب) واضح نقشہ (ج) ٹی وی پر منظر (د) گھر کا پتا

(۳) بے کسی کرتی ہے:

(الف) کمزور (ب) بیمار (ج) حملہ (د) بے بس ✓

(۴) "پیامِ لطیف" پیغام ہے:

(الف) حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائی کا ✓ (ب) حضرت سچل سرمست کا

(ج) بابا فرید الدین گنج شکر کا (د) حضرت بہاءالدین زکریا کا

(۵) شاہ عبداللطیف بھٹائی کی شاعری کا انداز ہے:

(الف) اصلاحی ✓ (ب) عوامی (ج) سیاسی (د) نعتیہ